

شہرا جی

A contact loved ones.

ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.

پاکستانی پوائنٹ

www.PakistaniPoint.Com

میہونہ خورشیدی

شہراجنہی



میمنہ خورشید علی

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اردو بازار، لاہور

فون: 37352332-37232336

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	شہراجنی
ناول	میونہ خورشید علی
ناشر	گل فرازا احمد
مطبع	علم و عرفان پبلشرز، لاہور
پروف ریڈنگ	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	محمد زاہد ملک
سن اشاعت	انیس احمد
قیمت	دسمبر 2014ء
	300 روپے

بہترین کتاب چھوانے کیلئے رابطہ کریں: 0300-9450911

..... ملنے کے پتے

اشرف بک ایجنسی	اشرف بک گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی	اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی
خزینہ علم و ادب	دیکم بک پورٹ
الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور	اردو بازار، کراچی
فرید پبلشرز، اردو بازار کراچی	چلڈرن پبلی کیشنز، اردو بازار کراچی
بیکن بکس	رشید نیوز ایجنسی
گلگشت کالونی، ملتان	اخبار مارکیٹ اردو بازار، کراچی
کشمیر بک ڈپو، تلہ گنگ روڈ، چکوال	مختار برادرز، بھوانہ بازار، فیصل آباد

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کیونکہ مطاعت، صحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بھری تقاضے سے بلکہ کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرماویں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

شہر اجنبی

عمارہ بیگم قل خوانی سے فارغ ہو کر گھر آئیں تو چادر اُتارتے ہی ان کا پارا ہائی ہو گیا۔ سارا گھر ایسے ہی اُلٹا پلٹا پڑا تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھیں۔ کچن میں رات کے اور صبح کے جھوٹے برتن ایسے ہی پڑتے تھے۔ دودھ والا دودھ دے کر گیا تھا وہ بھی کچا ہی رکھا تھا۔ بستر بھی ابھی تک بکھرے پڑے تھے۔

”نصیاں نہیں آئی تو اس کا مطلب ہے کہ گھر والے بھی گھر کو نہ دیکھیں۔ جس کی دو، دو بیٹیاں ہوں وہ بھی جوان جہان..... اس کے گھر کا یہ حال ہو..... کچھ خوفِ خدا ہی نہیں ان لڑکیوں میں۔ بارہ بج رہے ہیں۔ اچانک کوئی اس گھر میں آجائے تو لعنت ہی دے گا میری تربیت پر۔“ عمارہ بیگم غصے سے بڑبڑاتے ہوئے گھر کو سمیٹ رہی تھیں۔ تزیل میاں باہر سے آئے تو تھکے ماندے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے۔

”عمارہ بیگم ایک کپ چائے کا ہی پلا دو۔ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ ایک تو سمجھ نہیں آتا لوگوں کے پاس وقت کتنا فالتو ہے۔ ارے بھی قل خوانی تھی کر کے فارغ ہوں۔ بس سیاست چکانے کا لوگوں کو موقع چاہیے۔ جسے موقع ملتا ہے مائیک سنبھال کر بیٹھ جاتا ہے۔ سروکھ گیا میرا تو تقریریں سن کر۔“

عمارہ بیگم کچن میں برتن سمیٹ رہی تھیں۔ تزیل، عمارہ کو ڈھونڈتے ہوئے کچن میں ہی آ گئے۔

”کہاں ہو عمارہ بیگم؟“

”مر گئی عمارہ اور کہاں گئی۔“ عمارہ بیگم نے چولہے پر دودھ پکنے کے لیے رکھا ساتھ میں چائے کا پانی

بھی۔ پھر غصے سے شوہر سے کہا۔

”دنیا پر تنقید کرنے کی عادت ہے آپ کو، کچھ اپنی اولاد کے بھی ڈھنگ دیکھ لیں۔ میں گھر پر نہیں تو گھر کا یہ حشر کر رکھا ہے۔ ملازمہ نہیں آئی تو اس کا مطلب ہے گھر والے گھر بھی نہ دیکھیں۔“

”ایہا اور عمیر کالج گئے ہوں گے۔ عمار دکان پر..... گھر میں باقی کون رہ جاتا ہے۔ ایک اُفتق..... ایک بات بتاؤ عمارہ بیگم ہم نے اپنی بیٹی کا نام اُفتق رکھا ہی کیوں تھا کہ وہ آسمان ہی بن گئی۔ زمین کی طرف آنا ہی نہیں چاہتی۔“ تزیل بے بسی سے مسکرائے۔

”ایک صرف اس کے نام کو وجہ خرابی بنا کر آپ یا میں بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔ بیٹی کی ذات ہے کب۔“

تک احتجاج کرے گی وہ..... آخر وہ چاہتی کیا ہے، آپ پوچھتے کیوں نہیں اس سے۔ پلوٹھی کی اولاد ہے وہ ہماری۔ اس کی وجہ سے دوسرے بچوں پر بھی کتنا برا اثر پڑ رہا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے ایسا کس قدر زبان چلانے لگی ہے۔

”شکر ادا کرو عمارہ بیگم ابھی کسی پر اس کا اثر نہیں پڑا، بہت سمجھدار ہے۔ تمہاری چھوٹی اولاد۔“

”اور بڑی..... بڑی کس پر چلی گئی؟“ عمارہ بیگم نے چڑ کر کہا۔

”چھوڑو تم ان باتوں کو چائے لے کر باہر آؤ۔“

”پورے پانچ سال ہو گئے ہیں اس بات کو چھوڑتے، چھوڑتے۔ چھوڑنے کا ہی نتیجہ ہے جو وہ ہمارے

سر پر چڑھ گئی ہے۔“

”تو کیا کروں، ڈنڈوں سے ماروں اسے، کیا خود اسے احساس نہیں، اپنا مستقبل خود داؤ پر لگا رہی ہے

وہ۔“ تنزیل زچ ہو کر بولے۔

”کتنے دن کی زندگی رہ گئی ہے ہماری۔ پھر کون دیکھے گا اسے..... نہ بھائی نہ بہن..... پانچ سال ہو گئے

ہیں اسے۔ ابھی تک اس کا غصہ، اس کا احتجاج ختم نہیں ہوا۔“

”اسے یہ احساس نہیں کہ ہم کن پریشانیوں میں ہیں بس اپنی ہی ایک رفتار ہے۔“ اچانک ڈورنیل بچی۔

تنزیل اور عمارہ دونوں ہی چونکے۔

”خدا خیر کرے، کون آ گیا اس وقت، میرا تو سارا گھر الٹا پڑا ہے۔“ عمارہ بیگم نے پریشانی سے گھر کا

حلہ دیکھ کر کہا۔

☆☆☆

”ارے آپ، آپ ہمیں کم سے کم بتا تو دیتیں اتر پورٹ پر آپ کو لینے ہی جاتے۔“

”دو دن سے حسنین کے ہاں ٹھہری ہوئی ہوں اور آنے سے پہلے بتا بھی دیا تھا اسے۔ اس نے تمہیں

اطلاع نہیں کی۔“

”کون بتاتا ہے آپ..... امیر غریب دو الگ ذات ہو گئی ہیں..... سگا بھائی ہے..... مگرفون تک سے

اطلاع نہیں کی اس نے آپ کے آنے کی۔“ تنزیل نے شکوہ کیا۔ جواباً ماہ پارہ ہنس دیں۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو تنزیل بھائی..... آج کل سگا تو صرف پیسہ ہی رہ گیا ہے۔ یہ سناؤ کیا ہو رہا ہے آج

بچے کیا کر رہے ہیں، افق اور عمار کے کہیں رشتے وغیرہ ہوئے ہیں یا نہیں۔“ تنزیل اور عمارہ نے ایک

ایک طرف دیکھا۔

”عمارہ تم آپا سے حال احوال لو..... باتیں کرو، میں بازار سے کچھ سامان لے آؤں۔“ تنزیل بیوی

باہر نکل گئے۔

”کیا بات ہے عمارہ، مجھے لگ رہا ہے تم دونوں کچھ پریشان ہو؟“ ماہ پارہ نے تنزیل کے رویے کو محسوس

کیا اور عمارہ سے پوچھا۔

”آپ کو تو معلوم ہی ہے آپا سارے حالات کا۔ تنزیل کا سارا کاروبار ہی ختم ہو گیا تھا، نئے سرے سے عمار نے سنبھالا ہے۔ سارا زیور بیچنا پڑا مجھے اپنا۔ اب اللہ کا شکر ہے۔ عمار، تنزیل کے قرض سے نکل پایا ہے تو کچھ راس بھی بنالے گا۔“ عمارہ دکھ اور پریشانی سے بولیں۔

”ماشاء اللہ، ماشاء اللہ کیوں نہیں۔“ ماہ پارہ نے جیسے بہن کو تسلی دی۔

”تم دیکھنا تمہارا عمار بہت ترقی کرے گا۔ تمہاری ساری پریشانی ختم ہو جائیں گی۔ بس اب تو تم اس کے سر پر سہرا سجانے کی سوچو۔“

”کیسے سوچوں آپا..... عمار سے بڑی توافق ہے۔ رشتے آتے ہیں کسی کے سامنے نہیں آتی۔ نہ ہی گھر میں دلچسپی لیتی ہے۔ نہ ہی ہمارے دکھ سکھ کو سنتی اور سمجھتی ہے۔ بس جب سے تعلیم چھوٹی ہے خود کو کمرے میں ہی بند کر کے رکھ لیا ہے اس نے۔ دن بھر سوتی ہے رات کو جب ہم سو جاتے ہیں تب جاگتی ہے۔ ساری رات ٹی وی دیکھتی ہے۔ جب ہم لوگ صبح اٹھتے ہیں تب سو جاتی ہے۔ آپ بتائیں آپا کیا کروں اس لڑکی کا میں۔“

”ایسا کرنے سے کیا صحت ٹھیک ہے اس کی؟“ عمارہ کی باتوں سے ماہ پارہ کو تشویش ہوئی۔

”کیا صحت اچھی رہتی ہے۔ نہ ڈھنگ سے کھاتی ہے نہ بیٹی ہے۔ ذرا دیکھیں تو جا کر اسے۔ سارا رنگ جلا لیا اپنا..... سوکھ کر کاٹنا ہو گئی ہے۔ بات کرتی ہوں اس سے تو کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ سیدھے منہ بات تنگ نہیں کرتی۔ کوثر بھابھی کی نیناں اس کے ساتھ کی ہے، شادی ہو گئی ہے اس کی ایک بچہ بھی ہے۔ ساس کا گھر اس طرح سنبھالا رکھا ہے کہ فکر ہی نہیں انہیں۔ یہاں یہ حال ہے کہ اس عمر میں بھی سارے کام خود کرنے پڑتے ہیں مجھے۔ سوچتی ہوں ایسا پردباؤ نہ پڑے، پڑھتی رہے۔ میں تو اپنی طرف سے کسی بھی اولاد کی حق تلفی نہیں کرنا چاہتی۔ یہ اور بات ہے اس وقت کا رو باری حالات بہت اچھے نہیں تھے۔ ہمارا گھر تک بکنے کی نوبت آ گئی تھی، آپ تو جانتی ہیں سب کچھ۔“

”ارے بھئی، اسے پڑھنا ہے تو اب پڑھ لے۔ کیوں آزمائش میں ڈال رکھا ہے اس نے تمہیں، میں بات کروں گی اس سے، سمجھاؤں گی اسے۔ تم فکر نہیں کرو۔ دیکھو تو کیا حال کر لیا ہے تم نے اپنا۔“ ماہ پارہ نے بہن سے ہمدردی کی۔

”ہاں، آپا..... یہی چاہتی ہوں میں بھی۔ کم سے کم آپ ہی اسے سمجھا کر دیکھ لیں۔“

”ہاں، ہاں، تم فکر نہیں کرو۔ میں سمجھاؤں گی اسے۔ اچھا، یہ تو میں نے تمہیں بتایا ہی نہیں کہ میں حسنین کے گھر کیوں ٹھہری ہوئی ہوں۔“

”آپا آپ کے بھائی کا گھر ہے، کیوں نہیں ٹھہر گئیں آپ؟ ظاہر ہے آپ پردیس سے آئی ہیں تو بھائی کے گھر ہی ٹھہریں گی۔“

”ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن ایک خاص وجہ اور بھی ہے۔ حسنین بھائی کی عینا مجھے بہت پسند ہے۔ میں اپنے

حادث کا رشتہ دے آئی ہوں عینا کے لیے۔“ ماہ پارہ کی بات سے عمارہ کے دل کو دھچکا لگا۔

”امی آپ مجھ سے بار بار شادی کا تذکرہ نہ کیا کریں۔ مجھے کمانے دیں، کچھ بنانے دیں۔ جب میں اس قابل ہو جاؤں گا تو آپ کو خود ہی کہہ دوں گا کہ حسنین ماموں کے ہاں چلی جائیں عینا کا رشتہ لے کر۔“ کل شام ہی تو عمار نے کہا تھا۔

”کیا ہوا عمارہ، تمہیں خوشی نہیں ہوئی اس رشتے کی؟“

”مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے آپا۔ حادث جیسا لڑکا تو بھائی جان چراغ لے کر بھی ڈھونڈیں گے تو نہیں ملے گا۔“ عمارہ کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ماہ پارہ نے پوچھا تو عمارہ نے یکدم خود کو سنبھال لیا اور گر مجبوشی سے ماہ پارہ کا ہاتھ پکڑ کر یقین دلایا۔ ماہ پارہ کی آنکھوں میں غرور سا چمکنے لگا۔

”بس دعا کرو تم اور ہاں اگر حسنین یا خالدہ تم سے مشورہ کریں تو یہی کہنا کہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈیں گے وہ لوگ تو ایسا داماد نہیں ملے گا۔ اتنا پڑھا لکھا، کاروباری، خاندان میں ہے ہی کون۔“

”جی آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔“ عمارہ نے جیسے مایوس ہو کر کہا

”اتنا سعادت مند، اتنا ذہین، فرمانبردار، بچکانہ نمازی، میں تو خدا کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے کہ میرا بچہ اپنے ننھیال اور دھیاں دونوں کی ہی خصلت سے نکل گیا۔ ورنہ یہاں کے لڑکوں کا حشر تو تم نے دیکھا ہی ہے۔ ذرا سی مہین بھگیں اور لو فر پنا شروع۔ گھر اور تعلیم دونوں سے ہی بھاگ جاتے ہیں۔ جن کے پاس پیسہ ہے وہ تو اپنے بچوں کے عیب پیسے سے دبا لیتے ہیں لیکن جن کے پاس نہیں ان کے عیب سب کو نظر آ جاتے ہیں اچھا کیا تم نے عمار کو دکان کرا دی۔ بھی نہیں پڑھ لکھ سکا کوئی بات نہیں کاروبار تو کر رہا ہے ناں..... باپ کا سارا دھون دھودیا۔ برا مت ماننا عمارہ، تزیل میاں کے بھی جوانی میں پلھن ٹھیک نہیں تھے۔ ایسی ویسی جگہوں پر آنا جانا تھا۔ یہ تو تم پر خدا کی خاص رحمت ہوئی ہے کہ بچہ نیک اور سعادت مند نکل گیا۔“ ماہ پارہ نے اور زیادہ اترا کر کہا۔

”جی آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔“ عمارہ نے دکھ اور شرمندگی سے کہا۔

☆☆☆

”السلام علیکم خالہ!“ افق مغرب کے وقت آ کر ماہ پارہ سے ملی۔ ماہ پارہ نے مسکرا کر افق کو دیکھا جو پہلے کی نسبت بہت کمزور اور زرد سی دکھائی دے رہی تھی۔

”تم روزانہ ہی مغرب کے وقت سو کر اٹھتی ہو؟ کیا نیند آ جاتی ہے تمہیں؟“

”بنائیند کے کوئی بستر پہ دن بھر پڑا نہیں رہ سکتا۔ ظاہر ہے نیند آتی ہے تو سوتی ہوں۔“ افق نے زروٹھے

پن سے کہا۔

”تو کیا تم ساری رات جاگتی ہو؟“

”ظاہر ہے۔“ افق کی طرف سے لٹھ مار سا جواب ملا۔ عمارہ بیگم بیٹی کے رویے پر جربز ہو رہی تھیں۔

”کیا کرتی ہو تم رات بھر جاگ کے۔“ ماہ پارہ نے بھانجی کی طرف دیکھ کر شگفتگی سے پوچھا۔

”حیرت کی بات ہے خالہ..... آپ کو امی نے میرے بارے میں نہیں بتایا..... میں کیا کرتی ہوں، کیسے رہتی ہوں، کب اٹھتی ہوں، کب سوتی ہوں۔“ اُفق نے بدگمان سے انداز میں عمارہ کی طرف دیکھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا اُفق؟“ ماہ پارہ نے حیرانی سے پوچھا۔

”کوئی خاص نہیں خالہ..... بس یہی بتانا چاہ رہی تھی میں آپ کو۔ ہمارے گھر کے سامنے سے پھیری والا بھی گزرتا ہے ناں تو امی کا بس نہیں چلتا اسے بھی بتا دیں کہ ان کی بڑی بیٹی نے جینے کا کون سا ڈھنگ اپنا رکھا ہے۔“ اُفق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”بری بات ہے اُفق..... ساری صحت تباہ کر لی ہے تم نے۔ کیوں خود کو برباد کر رہی ہو۔“ ماہ پارہ نے

نرمی سے کہا۔

”دیکھیں خالہ..... یہ میرا اور امی، ابو کا معاملہ ہے۔ آپ درمیان میں نہ ہی بولیں تو بہتر ہے۔“

”ارے بھی واہ کیسے نہ بولیں، بیٹی ہو تم ہماری، تباہ و برباد کر رہی ہو اپنی زندگی اور ہم بیٹھے دیکھتے رہیں۔ نہیں پڑھ سکیں تو کوئی بات نہیں، اب اس بات کا کیا مطلب ہے، کیا تم باقی زندگی اس طرح برباد کرو گی؟“

”اگر تم اب اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہو تو اب کر لو۔ کم سے کم اس آسیب زدہ ماحول سے تو باہر نکل آؤ۔“ عمارہ بولیں تو اُفق نے غصے اور ناراضی سے ماں کو دیکھا۔

”آپ کے خیال میں میرے چھ سال جو ضائع ہوئے وہ واپس پلٹ سکتے ہیں، آسکتا ہے وہ وقت واپس؟“ اُفق نے پوچھا۔

”ہاں، ہم بھی تو یہی کہہ رہے ہیں۔ نہیں پڑھا تو نہیں پڑھا۔ اور ہمارے خاندان میں کون سا لڑکیاں ڈاکٹر یا انجینئر بن رہی ہیں جو تم خواہش پوری نہ ہونے پر لڑ بھگڑ رہی ہو۔ جو وقت گیا وہ چلا گیا، اب آئندہ کی زندگی خوشی، خوشی گزارو..... اپنے ماں باپ کے بارے میں سوچو، اپنے بہن بھائیوں کے بارے میں سوچو۔“

”دیکھیں خالہ، آپ امی، ابو سے بڑی ہیں، بے شک یہ لوگ آپ سے مشورے لے لیتے ہیں۔ لیکن

مجھے آپ کے مشورے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔“

”اُفق یہ تم کس طرح سے آپا سے بات کر رہی ہو۔ اس طرح تو میں نے بھی کبھی آپا سے بات نہیں کی۔“ عمارہ کو بیٹی کا رویہ بہت برا لگا ہے۔ غصے سے بولیں۔

”رہنے دو عمارہ، بیٹی ہے یہ میری بھی۔ ناراض ہے تم لوگوں سے تو مجھ سے بھی شکوہ کر بیٹھی۔ تم شکوے

شکایتیں دور کرو اس کی۔“

”میں تو اب صرف اس کے فرض سے سبک دوش ہونا چاہتی ہوں۔ جان چھوڑے یہ میری۔ ون رات

اس کے طعنے سننے کی اور ہمت نہیں ہے مجھ میں۔“

”کون سے طعنے دیے ہیں میں نے آپ کو اور کیا، کیا ہے آپ لوگوں نے میرے لیے اگر میں کچھ کہتی ہوں تو وہ سچ ہی ہے طعنے نہیں۔ میں اگر پہلے پیدا ہو گئی تھی تو یہ میرا قصور تھا۔ میں بہن بھائیوں کو، گھر کو سنبھالوں

اور آپ کو اپنے آنے جانے میں تنگی نہ ہو۔ گھر سنبھلا رہے آپ کا، بچے سنبھلے رہیں آپ کے۔ یہ حق ادا کرتی میں پلوٹھی کی اولاد ہونے کا۔ آپ اچھی طرح سے جانتی تھیں مجھے ایم بی اے کرنے کا کتنا شوق تھا۔ خواب تھا میرا یہ کہ میں بزنس کی اعلیٰ ترین ڈگری لوں، ایک مقام بناؤں اپنا، آپ سب کے لیے کچھ کروں لیکن آپ نے کیا کیا۔ مجھے یہ کہہ دیا کہ ہمارے پاس پیسے نہیں تمہیں آگے پڑھانے کے لیے، ٹیوشن کے لیے..... پھر کیا ہوا، آپ نے عمار کو بزنس کرایا اپنا سارا زیور بیچ کر..... میرے لیے کیوں نہیں بیچا آپ نے..... صرف دو لکھن بھی بیچ دیتیں تو میری فیس جمع ہو جاتی..... لیکن نہیں آپ کو میں نہیں بیٹا پیارا تھا اور پھر اب کیا کر رہی ہیں آپ، کیا ایسا نہیں پڑھ رہی۔ عیبر پڑھ رہا ہے۔ صرف میری تعلیم کے لیے پیسہ نہیں تھا آپ لوگوں کے پاس۔“ اُفق نے دوبارہ کہا۔

”عمار بیٹا ہے میرا۔ کہا کر لا رہا ہے تو اسی گھر میں آ رہا ہے۔ ہمارا بوجھ اٹھا رہا ہے وہ۔ تم سے یہ سب میں کیسے کرا لیتی۔ لوگ مجھی پر لعنت بھیجتے، مجھے کہتے کہ میں بیٹی کی کمائی کھا رہی ہوں۔“ عمارہ بیگم نے غصے سے کہا۔

”مت بہانے گھڑیں امی۔ لوگ تو ہمیشہ بولتے ہیں۔ عادت ہے لوگوں کو بولنے کی۔ اپنے وقت پر سبھی نے سب کچھ کیا ہے۔ ابونے جوانی میں نسرین آنٹی سے عشق بھی لڑایا ہے، جیسا کپڑا وہ آپ کو لا کر دیتے تھے ویسا ہی نسرین آنٹی کے لیے بھی لاتے تھے۔ کیا یہ عیاشیاں نہیں تھیں۔ کیوں نہیں مان لیتیں آپ یہ..... اپنے وقت پر سبھی نے عیاشیاں کی ہیں۔ برا وقت آیا ہے تو صرف مجھ پر..... ارمان میرے بکھرے ہیں، خواب میرے ٹوٹے ہیں۔“

”منہ بند کرو اُفق اپنا..... تمہیں کوئی حق نہیں اپنے باپ تک جانے کا۔ تنزیل نے اپنے ہاتھوں سے کمایا تھا اپنے ہاتھوں سے برباد کر دیا۔ تمہیں کوئی حق نہیں ان پر انگلی اٹھانے کا۔“

”بات سنیں امی..... کسی اور کو بھی کوئی حق نہیں بار بار آ کر میری عزت نفس کو چھیڑنے کا۔ یہ میری زندگی ہے، میں کیسے گزاروں گی یہ میں خود طے کروں گی۔ میری صحت برباد ہو رہی ہے، میرا نقصان ہے آپ لوگوں کا نہیں۔“ اُفق جذباتی پن سے کہتی باہر نکل گئی۔ عمارہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ رونے لگیں تو ماہ پارہ کے چہرے پر بھی افسوس اور پریشانی جھلکنے لگی۔



”دیکھیں امی، میں آپ سے صاف صاف کہہ چکی ہوں میں حادث کو بالکل پسند نہیں کرتی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اس کی خامیاں بھی آپ کو بتاؤں۔ ایک ہزار خوبیاں ہیں اس میں لیکن نہیں پسند کرتی میں اسے۔ میں عمار کو پسند کرتی ہوں اور یہ بات آپ بھی اچھی طرح سے جانتی ہیں۔ اس کے باوجود آپ مجھے حادث کے لیے قائل کیے جا رہی ہیں۔“

”اپنا فیوچر دیکھو عینا! محبت وقتی اور جذباتی باتیں ہوتی ہیں۔ حادث، عمار کے مقابلے میں بہت آگے ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، اچھا بزنس ہے اس کا۔ تمہارا فیوچر برائٹ ہے جبکہ عمار ایک چھوٹی سی دکان پر کام کر رہا ہے، پچھلے چار سال سے وہیں کا وہیں کھڑا ہے۔ وہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ عینا یہ بات تم کیوں نہیں سمجھتیں اور پھر تنزیل نے جوانی میں جو کچھ بھی کیا اس کی وجہ سے تمہارے ابو تو عمار کے بارے میں سوچیں گے بھی نہیں۔“

خالدہ نے نرمی اور محبت سے بیٹی کو سمجھایا۔

”تو ٹھیک ہے، میں بھی شادی نہیں کروں گی، کہہ دیجیے ابو سے اور رہ گئی بات تنزیل انکل کے کیریئر کی تو بات سنیں امی بڑوں کی کہات مشہور ہے۔ نیکوں کے بد اور بروں کے نیک ہو ہی جاتے ہیں۔ عمار، تنزیل انکل سے ہزار گنا بہتر ہے اور سب سے بڑھ کر وہ مجھے پسند ہے۔“

”کہات تو یہ بھی مشہور ہے۔ پتا پہ پوت اور نسل پہ گھوڑا۔ بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ مگر یہ بات تمہیں سمجھ نہیں آئے گی مگر پھر بھی میں تمہیں سوچنے کا وقت دے رہی ہوں۔ اچھی طرح سے سوچ لو۔ سمجھ لو، یہ فیصلے ایسے نہیں ہوتے جنہیں کرنے کے بعد سدھا رہا لیا جائے۔“ خالدہ نے غصے سے بیٹی کو دیکھا۔

”میں نے سوچ لیا ہے امی، اب سوچنا اور سمجھنا آپ نے اور ابو نے ہے۔“ عینا ماں سے کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔



ماہ پارہ، حسنین اور خالدہ کے گھر آئی ہوئی تھیں حسنین سے جواب لینے کے لیے۔

”تم نے تو حد ہی کر دی، اس بات کے لیے اتنا سوچنے والی بات کون سی تھی۔ حارث تمہارا دیکھا بھالا، میرا ہیرے جیسا بیٹا ہے۔ اس کے باوجود تم لوگ مجھے چکر پر چکر لگوائے جا رہے ہو۔ ادھر میری دونوں بیٹیاں آنے کے لیے بے چین ہیں۔ پر میں نے بھی کہہ دیا ہے جب تک ہاں نہیں کہہ لو الٹی یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں۔“

”یہ تو ٹھیک ہے آپا..... لیکن ہماری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔“ حسنین نے بہت دیر کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

”ارے بھئی کیسی مجبوریاں؟“

”میں بتا نہیں سکتا۔ کچھ ایسی مجبوریاں ہیں میری۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ رشتہ ہو پائے گا۔ آپ حارث کا رشتہ کہیں اور کر لیں۔“

”کیا..... کیا کہہ رہے ہو تم، تم میرے چاند جیسے حارث کو ٹھکرا رہے ہو۔ حسنین، بہن ہوں میں تمہاری۔ ہاں مگر..... سوتیلی۔ کیا تم سوتیلے پن کی وجہ سے مجھے ٹھکرا رہے ہو۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ..... میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا۔“

”مگر اب سامنے تو آ گیا جو سوچ تم میرے متعلق رکھا کرتے تھے۔ مگر یاد رکھو حسنین..... ہماری مائیں دوسرور تھیں لیکن باپ ایک ہی تھا۔ اور نسل باپ سے چلتی ہے۔“

”آپا آپ خواہ مخواہ بدگمان ہو رہی ہیں۔ ابھی عینا پڑھ رہی ہے۔ میں ابھی اس کی شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔“

”تو کتنے سال انتظار کروانا چاہتے ہو۔ کرلوں گی پانچ سال، دس سال مگر اس طرح سے انکار تو نہ کرو

حسنین۔“ ماہ پارہ نے جذباتی پن سے اپنا دوپٹا بھائی کے قدموں میں ڈال دیا۔

”خدا کے واسطے آپا شرمندہ نہ کریں مجھے۔ میں بے حد مجبور ہوں۔“ حسنین شرمندگی سے دوپٹا اٹھا کر

ماہ پارہ کے سر پر ڈالتے ہوئے بولے۔

”آخر ایسی بھی کیا مجبوری ہے حسنین؟ میں اپنے سرال کے سامنے، سارے رشتے داروں کے سامنے یہاں تک کہ حادث کے دوستوں میں بھی یہ بات کہہ چکی ہوں کہ میں عینا یعنی اپنی بھتیجی کو بہو بنا کر لا رہی ہوں۔“ ماہ پارہ نے روتے ہوئے کہا۔ حسنین اور خالدہ دنگ رہ گئے۔

”میری عزت کا سوال ہے حسنین..... خدا کے واسطے کچھ سوچو، کچھ سوچو میرے لیے۔ میں تو لوگوں کے سامنے نظریں بھی اٹھا نہیں پاؤں گی۔“

”یہ کیا، کیا آپا آپ نے..... کم سے کم مجھے بتا تو سکتی تھیں آپ۔ میں کیا بتاؤں آپ کو۔ مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے آپ نے۔“ حسنین سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

☆☆☆

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ لوگ کیوں سر پکڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔ پھپھو کی غلطی ہے، راستہ وہ نکالیں واپسی کا۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔“ عینا نے حسنین اور خالدہ سے کہا۔

”عینا ٹھیک کہہ رہی ہے امی، پھپھو نے یہ ناجائز کیا ہے ہمارے ساتھ۔ اس طرح وہ کیسے ہماری بہن کا نام کسی بھی شخص کی ساتھ جوڑ سکتی ہیں۔ جب تک عینا کی رضا مندی نہیں ہوگی اس کے گھر والوں کی رضا مندی نہیں ہوگی۔ صاف صاف نظر آ رہا ہے وہ ہمیں بلیک میل کر رہی ہیں، نفسیاتی دباؤ ڈال رہی ہیں ہم پر۔“

”تم بکواس بند کرو اپنی۔“ حسنین نے غصے سے بیٹے کو ڈانٹا۔

”تم سب تو باری باری اپنی دلیلیں، وضاحتیں پیش کر لو گے۔ میں کہاں جاؤں، میں کیا کروں۔“

”آپ کیوں دباؤ میں آ رہے ہیں۔ ہم نے تو ایک بار بھی ہاں نہیں کہی تھی پھر کیسے انہوں نے ہماری بیٹی کے متعلق ایسی بات کہی۔“

”جو ہونا تھا ہو گیا، اب کیا کرنا ہے۔ پندرہ دن کے بعد ماہ پارہ آپا پھر آئیں گی اور اکیلے نہیں اپنی بیٹیوں اور دامادوں کے ساتھ۔“

”میں نے اس بات کا حل اچھی طرح سے تلاش کر لیا ہے ابو۔ ہم عینا کا رشتہ عمار کے ساتھ طے کر دیتے ہیں۔ پھر پھپھو کچھ نہیں کر سکیں گی۔“ فائز درمیان میں بولا۔

”کیا..... تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اپنی اکلوتی بیٹی، تنزیل کے بیٹے کو دوں گا۔“

”عمار میں اور تنزیل انکل میں بہت فرق ہے ابو اور ویسے بھی جو کچھ تنزیل انکل نے کیا اب انہیں خود بھی بہت پچھتاوا ہے اپنے کیے پر۔“

”پھر..... ان پچھتاؤں سے کیا ہو سکتا ہے۔ سب کچھ اڑا دیا، برباد کر دیا۔ میری بہن نے جوانی میں جو اذیتیں سہیں وہ علیحدہ۔“

”وہ سب کچھ وہ سارا وقت گزر گیا ہے ابوہ تنزیل انکل اور عمارہ پھپھو کا معاملہ تھا۔ عمار بہت اچھا لڑکا ہے۔ مجھے خود بھی پسند ہے اگر عینا اس میں انٹرنلڈ ہے تو آپ پلیز وقت ضائع کیے بغیر یہ رشتہ کر ڈالیں۔ اس سے

دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو عینا کو من پسند شوہر کا ساتھ ملے گا اور دوسرے آپ دونوں بہن بھائیوں میں جو دوریاں تنزیل انگل کی وجہ سے ہو چکی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔“ حسنین بیٹے کی طرف دیکھ کر جیسے کچھ سوچنے لگے۔

☆☆☆

”آپا نے تو رو رو کر دو ہائیاں دے رکھی ہیں کہ میں جا کر حسنین بھائی اور خالدہ بھابی کو رضا مند کروں اس رشتے کے لیے۔ وہ اتنی جذباتی ہو رہی ہیں کہ انکار کے بارے میں تو سننا ہی نہیں چاہتیں۔ میں تو آپا کا جذباتی پن دیکھ کر یہ بات بھی منہ میں دبا کر بیٹھ گئی کہ میرا عمار، عینا کو پسند کرتا ہے۔ جب سے یہ سلسلہ چلا ہے اس کی تو بھوک پیاس ہی اڑ گئی ہے۔ رات کو گھر..... بھی دیر سے آتا ہے۔ ہنسنا، بولنا تو جیسے بھول ہی گیا ہو۔“

”اور تم نے یہ بات مجھے اب بتائی ہے عمارہ بیگم، کتنی ظالم، کتنی سفاک ہو تم۔ بیٹے کے جذبات کو جانتے ہوئے بھی اس کی خوشیوں پر فینچی چلا رہی ہو۔“

”تو کیا کروں تنزیل، میری ایسی پوزیشن کہاں جو بھاگی بھاگی اپنے مالدار بھائی کے گھر جاؤں اور سوال ڈال دوں اپنے بیٹے کا۔ ڈر لگتا ہے۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو اور یہی ڈر شاید عمار کو بھی ہے جیسی خاموشی اختیار کر لی ہے اس نے۔“

”پھر بھی تمہیں چاہیے تھام ایک بار کوشش تو کر دیکھتیں۔“

”کوشش سے کچھ نہیں ہوتا، جو نصیب میں ہونا ہے وہی ہوتا ہے۔ آپ کی وجہ سے بہت عزت افزائی ہوئی میری۔ اب مزید اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی میں۔ عمار سمجھا رہا ہے، مجھے اچھی طرح پتا ہے سمجھوتا کر لے گا پھر انشاء اللہ اپنے بیٹے کو کسی اچھی جگہ ہی بیاہوں گی میں۔“

☆☆☆

حسنین اور خالدہ، عمارہ اور تنزیل کے گھر آئے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے، بیہا چائے وغیرہ ان کے سامنے رکھ رہی تھی۔

”ماشاء اللہ عمارہ، ایہیا نے تو خوب قد نکالا ہے اور ماشاء اللہ کتنی خوب صورت ہو رہی ہے۔ کیا کر رہی ہے آج کل یہ۔“ خالدہ نے ایہیا کو دیکھ کر کہا۔

”ایم اے فائن آرٹس کر رہی ہوں ممائی جان میں۔“ ایہیا نے خود ہی بتایا۔

”ایہیا ذرا جا کر دیکھو ہندیا چولہے پر رکھی جل تو نہیں گئی۔“ عمارہ نے ایہیا سے کہا۔ ایہیا چلی گئی۔

”دراصل ہم لوگ آج ایک خاص مقصد کے تحت تمہارے ہاں آئے ہیں۔ ماہ پارہ آپا کی ساری باتیں خالدہ نے تمہیں بتا دی ہیں اب تم ہی بتاؤ۔..... ایسی صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔“ حسنین عمارہ سے بولے۔

”مجھے تو بہت افسوس ہو رہا ہے، ماہ پارہ آپا کی سوچ پر..... بھی رشتے زبردستی تھوڑی ہی ہوتے ہیں۔“

عمارہ کے بجائے تنزیل جذباتی پن سے بولے۔

”اب ہمیں ہی دیکھ لو..... ہماری خواہش تھی عمار کے لیے آپ کے ہاں آنے کی، آپا کے بارے میں جان کر ہم چپ ہو گئے۔ ورنہ زبردستی ہم بھی کر سکتے تھے۔“ حسنین اور خالدہ دونوں چونکے۔

”تنزیل بھائی آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔ ہم لوگ تو آج یہاں آئے ہی اسی سلسلے میں تھے اور اب یہ سلسلہ..... مجھے ایسا لگتا ہے ڈبل ہوگا۔ یعنی وٹہ سٹ.....“ پھر خالدہ مسکرا کر بولیں۔

”میں سمجھی نہیں خالدہ بھابھی، بھائی جان اور آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟“ عمارہ الجھ کر بولیں تو حسنین مسکرائے۔

”بھئی صاف سی بات ہے عمارہ، میں چاہتا ہوں اپنی عینا حارث کے بجائے عمار کو دوں اور فائز کے لیے ہمیں آپ لپیہا دے دیں۔“ حسنین نے کہا تو تنزیل اور عمارہ دونوں دنگ رہ گئے۔ خوشی دونوں کے چہروں پر تھی۔ عمارہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔

☆☆☆

”آ گیا سگے، سوتیلے کا فرق سامنے۔ آپ ہی کہتی تھی کبھی فرق نہیں رکھا آپ کے بہن بھائیوں نے لیکن اب خود ہی دیکھ لیں۔ آپ کو خالہ اور ماموں نے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکا۔“ ماہ پارہ بستر پر لیٹی رو رہی تھیں۔ حارث، عاصمہ اور ساجدہ تینوں ماں کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ عاصمہ غصے سے بولے جارہی تھی۔

”ایک نہیں دو، دو رشتے داریاں کی ہیں انہوں نے اور آپ کو ایک کے قابل بھی نہیں سمجھا۔ کیا کمی تھی ہمارے بھائی میں۔ سچ کہتے ہیں ہیرے کی قدر جو ہری ہی جانتا ہے مگر ان ناقدروں کو کیا قدر ہونا تھی آپ کی یا بھائی کی۔“

”عاصمہ ٹھیک کہہ رہی ہے امی، آپ خواخواہ ہلکان کر رہی ہیں خود کو..... ایک عینا ہی تو سب کچھ نہیں تھی۔ آپ جہاں چاہیں میری شادی کر دیں۔ مجھے بالکل اعتراض نہیں ہوگا مگر خدا کے واسطے اس طرح دل پر مت لیجیے، بیمار پڑ جائیں گی آپ۔“

”میرا ہیرے جیسا بیٹا، کیسے انکار کر دیا حسنین نے، یہ بھی نہیں سوچا کس مان سے کس دل سے میں عینا کو مانگنے گئی تھی۔ میں نے اپنا دو پنا تک حسنین کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ اس نے اس کی بھی لاج نہ رکھی۔ اگر حسنین میرا سگا بھائی ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کرتا۔ میری چاہت کو یوں قدموں میں نہ روندتا۔“ ماہ پارہ، حارث کو دیکھ کر پیار کرتے ہوئے بولیں۔

”خدا کے واسطے امی سنبھالیں خود کو۔ کمی نہیں ہے ہمارے بھائی کو لڑکیوں کی اور دینیے بھی اس کم تعلیم یافتہ عینا میں تھا ہی کیا نہ جانے کیوں آپ بھائی کی محبت میں چلی گئیں۔ دیکھیے گا میں اپنی بھابھی کتنے اونچے خاندان اور کتنے بڑے گھر سے بیاہ کر لاؤں گی۔“ عاصمہ نے دعویٰ کیا۔

”میں اپنے بہن، بھائیوں سے جڑی رہنا چاہتی تھی۔ اس لیے حسنین کے گھر گئی ورنہ دولت کی کمی نہیں

تھی میرے پاس۔“ ماہ پارہ نے چونک کر عاصمہ کو دیکھا پھر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔
 ”تو پھر کیوں سوچ رہی ہیں آپ اپنے بہن، بھائیوں کے بارے میں۔ مت سوچیں اور بے فکر ہو جائیں کہ عینا سے پہلے اب حادثہ ہی بیاہا جائے گا اور دیکھیں گے آپ کے بہن، بھائی کہ یہ ہوا کیا۔“ ساجدہ نے ماں کو تسلی دی۔ ماہ پارہ بیگم گم سم سے انداز میں لیٹی ہوئی تھیں۔ تینوں بہن بھائی ماں کی دلجوئی کر رہے تھے۔

☆☆☆

ماہ پارہ سو رہی تھیں کہ اچانک ان کی آنکھ کھلی، وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھیں..... اور اپنا سر پکڑ کر سوچنے لگیں۔

”بچے تو کہہ رہے ہیں کہ اس بات کو ذہن سے، دل سے نکال دوں لیکن سوتے جاگتے ایک لمحہ بھی دل یا ذہن خالی نہیں ہوتا میرا۔ کیسے برداشت کر لوں میں کہ حسنین نے میرے لائق فائق حادثہ کے سامنے عمار کو ترجیح دی۔ پورے خاندان میں حادثہ کی خوبیوں کا ڈنکا تھا اور بازی لے کر جا رہا ہے عمار۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا سمجھتے ہیں حسنین اور عمارہ..... بہت خوشی کے ساتھ بیاہ لیں گے، خوشی خوشی نباہ بھی لیں گے۔ دونوں کے بچے ایسے بچ بوؤں گی کہ ایک دوسرے کو مرتے وقت بھی نہیں دیکھیں گے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں حادثہ کا سوال اُفتخ پر ڈالوں گی۔ اُفتخ..... ناکارہ لڑکی ہے۔ ماں باپ سے بدگمان رہتی ہے۔ وہ میرا مہرہ آسانی سے بن جائے گی، اسی کے ذریعے میں حسنین کے گھر میں بھی رک لگاؤں گی اور اپنی اور اپنے بیٹے کی بے عزتی کا بدلہ لوں گی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُفتخ میں کوئی بھی ایسی خوبی نہیں جو میرے بیٹے کے من پر چڑھ سکے۔ میرا حادثہ ہمیشہ میرا ہی رہے گا۔“

☆☆☆

”مجھے تو یہ سوچ سوچ کر پریشانی ہو رہی ہے اب ایک ماہ کے بعد آپا میرے پاس کیا کرنے آرہی ہیں۔ کیسے نظریں ملاؤں گی میں اُن سے؟“

”بات سنو عمارہ بیگم ہم نے کوئی چوری نہیں کی ہے ڈاکا نہیں ڈالا ہے اور وہ کچھ چرا کر لے نہیں جائیں گی ہمارا۔ اب وہ آرہی ہیں تو آنے دو۔ کچھ الٹا سیدھا بولا انہوں نے تو خود نمٹ لوں گا میں ان سے۔ تمہیں فکر کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔“ تنزیل نے عمارہ کو یقین دہانی کرائی۔ عمارہ بھی خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

”کیا کہہ رہی ہیں امی آپ..... آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آپ ہمارے خوبو بھائی کا سوال اس اُفتخ پر ڈالیں جو شروع سے ہی نفسیاتی کیس ہے۔“ عاصمہ اور ساجدہ، ماہ پارہ سے بحث کر رہی تھیں۔ حادثہ بھی کمرے میں موجود تھا۔

”بات سنو تم دونوں میری۔ اس گھر میں میرا ہی فیصلہ چلتا ہے۔ جب حادثہ کو کوئی اعتراض نہیں تو تم دونوں کیوں الٹا سیدھا بولے جا رہی ہو۔“ ماہ پارہ غصے سے بولیں۔

”بے فکر رہیں۔ منہ کی کھا کر آئیں گی آپ۔“ عاصمہ غصے سے کہہ چلی گئی۔ ساجدہ البتہ خاموش تھی۔
حارث سر جھکا کر بیٹھا رہا۔

”تم بھی تو کچھ بولو۔ آخر تمہاری بھی تو کوئی سوچ، کوئی رائے ہوگی۔“ ساجدہ نے بھائی سے کہا۔
”میں امی کو کہہ چکا ہوں، ایک نہیں سو بار۔ امی جہاں چاہیں میری شادی کر دیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس امی کی خوشی مقصود ہے مجھے۔“ حارث یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔
”کیوں کر رہی ہیں آپ ایسا..... تاکہ اپنوں سے جڑی رہیں۔ پھر بھی نہیں لاسکتیں آپ۔ اُفق اتنی زہریلی لڑکی ہے، وہ اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتی، آپ کی کیسے کرے گی۔ یہ سوچا ہے آپ نے۔“ ساجدہ بے بسی سے ماں سے بولی۔

”میں نے سب سوچ لیا ہے، تم بے فکر ہو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ تم لوگوں نے اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو کل کی تیاری کر لو ورنہ فضول کی بحث مت کرو۔“



”میرے گھر میں صرف میری ہی چلتی ہے اور کسی کی نہیں۔ غفار مرحوم کی اللہ مغفرت کرے، وہ بھی میرا کہا کبھی نہیں نالتے تھے۔ جو بات میں نے کہہ دی پتھر پر لکیر ثابت ہوئی۔“ ماہ پارہ کی بات پر عمارہ مسکرائیں
”اچھی طرح سے جانتے ہیں ہم لوگ، یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے۔ اماں جی کہا کرتی تھیں مجھے.....
عمارہ! جتنی محبت عبدالغفار کرتا ہے ناں میری ماہ پارہ سے اتنی تزیل میاں نہیں کرتے تم سے۔“
”آہ ٹھیک ہی کہا کرتی تھیں اماں جی..... کتنی پرکھ لینے والی آنکھ تھی اماں جی کی۔“ ماہ پارہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

”بہت تھوڑا سا تھا آپ کا اور بھائی میاں کا۔ اسی لیے اتنی محبت دی انہوں نے اور چل بسے۔ اللہ آپ کے حارث کی لمبی عمر کرے۔ حارث کی شکل میں خدا نے آپ کو بڑا ہی اچھا تحفہ دیا ہے آپا۔“
”اور دیکھ لو..... کیا قدر کی میرے بھائی نے اس ہیرے کی۔“ ماہ پارہ کو جیسے عمارہ کی بات چھبی تھی فوراً بولیں۔ عمارہ جیسے چوری ہو گئیں۔

”اب یہ تو بھائی صاحب کی مرضی تھی، میں کیا کہہ سکتی ہوں آپا۔“
”جانتی ہوں، اچھی طرح سے جانتی ہوں میں..... تم کیا منوا سکتی ہو اس سے، بس ماننا ہی آتا ہے تمہیں تو..... وہ رشتہ لے کر تمہارے گھر آیا اور تم نے فوراً ہامی بھر لی، ذرا غرہ نہ دکھایا یہ نہ سوچا اس کے گھر سے بڑی بہن خالی ہاتھ گئی ہے..... میں بہن کا ساتھ دوں اسے خالی ہاتھ لوٹا دوں۔“
”کیسے کرتی ایسا، میرے بچے کی خوشی کا سوال تھا..... سر آنکھوں پر بٹھانا پڑا مجھے تو۔“ عمارہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

”خیر چھوڑو ان باتوں کو، مجھے تو یہ سوچ سوچ کر حیا آ رہی ہے کہ حسنین اور خالدہ کی کیا مت ماری گئی

تھی جو بڑی بیٹی کو چھوڑ کر چھوٹی پر سوال ڈال دیا اور تم نے بھی خوشی خوشی ہامی بھری۔“

”تو کیا کرتی آپا..... آپ کو تو پتا ہی ہے اُفتق کے سارے حالات کا، اپنے پرانے کسی سے نہ بولتی ہے کسی کے سامنے جاتی ہے، کوئی کس طرح اسے قبول کر سکتا ہے۔“

”خوب کہی بی بی تم نے تو، ارے اپنوں میں ایسا نہیں ہوتا، گھروں کی بیٹیاں تو بن دیکھے بن پر کھلے لی جاتی ہیں۔ جیسے میں نے عینا کے لیے سوال ڈال دیا تھا، تھا ہی کیا اس میں..... اتنا سادہ اور کم تعلیم یافتہ اور حسنین اور خالدہ کے نخرے دیکھو۔“

”لگتا ہے آپ کے دل کو بہت برا لگا ہے اور لگنا بھی چاہیے اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں آپا، میں نے تو بہت جی جان سے چاہا تھا ایسا ہو جائے لیکن جو رب کی مرضی۔“

”ارے مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں، بھلا اس میں تمہارا کیا قصور ہے..... یہ بتاؤ اُفتق کا کیا حال ہے، اس نے ایسا کے رشتے کو دل پر تو نہیں لیا کہ پھر اس کی حق تلفی ہو گئی۔“

”کہاں آپا..... اسے تو جیسے احساس ہی نہیں اس کے ارد گرد گھر میں ہو کیا رہا ہے۔“

”اچھا سنو! میں اس لیے آئی ہوں کہ جو کچھ حسنین نے کیا ہے کچھ ٹھیک نہیں کیا ہے۔ بڑی کو چھوڑ کر چھوٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔ کتنا برا اثر پڑے گا اس کی زندگی پر، رشتے بھی آنا بند ہو جائیں گے۔ آخر ساری عمر تو نہیں بٹھائے رکھنا تم نے اسے۔“ عمارہ خاموش رہیں۔

”اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے..... تم حارث کے لیے اُفتق کو دے دو۔“ عمارہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ماہ پارہ یہ بات کہنے والی ہیں یا خاص اسی مقصد کے لیے آئی ہیں۔ عمارہ کو گہرا دھچکا لگا۔ خوشی اور تشکر کے آنسو آنکھوں سے نکل پڑے۔ ماہ پارہ نے عمارہ کے احساسات کو جانتے ہوئے انہیں گلے سے لگا لیا۔

”اتنا بڑا احسان کر رہی ہیں آپ مجھ پر، میں کیسے اس احسان کو اتار پاؤں گی۔“ عمارہ روتے ہوئے بولیں۔

”ارے بھی کوئی احسان نہیں ہے یہ..... بیٹی ہے وہ میری..... اور دیکھو میں تو انگوٹھی بھی ساتھ لائی ہوں۔“

”آپا..... آپا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی..... میری ناکارہ، غیر ذمے دار، جھگڑالو بیٹی کے لیے اتنا اچھا رشتہ آئے گا۔ حارث جیسا لڑکا اس کا جیون ساتھی بنے گا۔ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے اُفتق کی۔“

”ہاں تو جلدی کرونا، یہ خوش خبری سب کو بتاؤ جا کر..... اور اس لپکی کو بھی بلاؤ، ملنا چاہتی ہوں میں اس سے۔“ عمارہ کی خوشی سے حالت ناگفتہ بہ تھی۔



اُفتق کو یہ سب کچھ ایسا نے جب بتایا تو وہ ہتھ سے اکھڑ گئی۔

”کیا..... آپ لوگوں نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا کہ آپ لوگ..... یا آپ میں سے کوئی بھی میری زندگی کا فیصلہ کرے گا اور میں بخوشی ہاتھ باندھ کر چل پڑوں گی۔ میں نے کہہ دیا ہے میں ہرگز شادی نہیں کروں گی حارث سے اور نہ ہی کسی اور سے۔ سمجھا کیا تھا خالہ نے..... ماموں حسنین کے گھر سے انکار ہو گیا تو وہ یہاں

آگئیں جیسے افق انہیں پلیٹ میں رکھی ہوئی مل جائے گی۔“

”آہستہ بولو، افق..... خالہ ابھی گھر پر ہی ہیں تمہاری آواز جارہی ہوگی باہر، کتنا دکھ پہنچے گا انہیں۔“

”تو کیوں آئی ہو تم میرے پاس یہ پروپوزل لے کر۔“ ایبہا نے عمار کی طرف دیکھا جو چپ چاپ ایک طرف کونے میں کھڑا تھا۔

عمارہ بے بس اور پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ماہ پارہ کمرے میں آگئیں۔ عمار، ایبہا اور عمارہ تینوں ہی چونکے جبکہ افق نے غصیلی نگاہوں سے ماہ پارہ کو دیکھا۔

”کیا ڈراما ہے یہ خالہ..... کیوں کرنے آئی ہیں آپ میری ذات پر یہ احسان، میں ناکارہ، غصیلی، جھگڑالو، میں نہیں باسکتی آپ کے بیٹے کا گھر۔ یہ دیکھیں، میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں، جائیں آپ یہاں سے، کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو مجھ پر کوئی بھی احساس کرنے کی..... نہیں کرنی مجھے کوئی شادی وادی، کیوں وقت برباد کرنے چلی آئیں آپ یہاں۔“ عمارہ نے خفت اور شرمندگی سے ماہ پارہ کی طرف دیکھا۔ عمارہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”پورے شہر میں آپ کو کوئی لڑکی نہیں ملی جو آپ مجھ پر احسان کرنے چلی آئیں۔“ افق غصے سے بولی۔

”چپ کر جاؤ افق، خدا کے واسطے چپ کر جاؤ۔“ عمارہ غصے سے چلا کر رونے لگیں۔ ایبہا، عمارہ کو لے کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

”خالہ آپ بھی باہر آجائیں۔ کوئی فائدہ نہیں ہے اس سے بات کرنے کا۔“ عمارہ نے ماہ پارہ سے کہا۔

”تم جاؤ عمار میں آرہی ہوں۔“

”فضول مجھے فورس کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔ آپ نے سنا نہیں یہ کیا کہہ رہا تھا۔ کوئی فائدہ نہیں مجھ سے بات کرنے کا۔ امی، ابو کا لاڈلا، چہیتا، سمجھدار اور عقلمند تو یہ ہے..... اس سے بات کریں آپ۔

میرے منہ لگنے کیوں آرہی ہیں آپ۔“ افق نے غصے سے کہا۔

”منہ بند کرو افق اپنا۔“ عمار غصے سے بولا۔

”شٹ اپ..... اینڈ گیٹ لاسٹ!“ افق اس سے زیادہ غصے سے چلائی۔ عمار کمرے سے نکل گیا۔ ماہ پارہ بھی باہر نکلیں تو افق نے غصے سے دروازہ بند کر لیا۔



”مجھے معاف کر دیں آپا..... دراصل میں ہی اس لائق نہیں..... کہ آپ کے معیار پر پوری مائتر سکوں۔

افق نے جو کچھ بھی آپ کے ساتھ کیا میں بہت شرمندہ ہوں، معافی مانگتی ہوں آپ سے۔“ عمارہ، ماہ پارہ کے سامنے شرمندہ تھیں، خفت اور شرمندگی سے بولیں۔

”نہیں، نہیں عمارہ اس طرح کر کے تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔ کیا میں نہیں جانتی افق کے حالات.....

سب کچھ جانتی ہوں میں۔ تم یہ سب باتیں دل پر مت لو۔“

”کیا کروں آپا..... نہ لو ناتی آپ کو اپنے گھر سی کبھی بھی خالی ہاتھ اگر ایسا کو فائز سے منسوب نہ کیا ہوتا تو اسے آپ کی جھولی میں ڈال دیتی میں۔“ ماہ پارہ نے دل ہی دل میں سوچا۔ ”مجھے تو تمہارے گھر سے بیٹی چاہیے۔ چاہے افق چاہے ایسا۔“

”ہاں تو رشتہ ہی تو ملے ہوا ہے کون سا ممکن ہو گئی یا شادی کی تاریخ طے ہو گئی۔ ایک رشتہ بھائی کی طرف کرلو..... اور ایک میری طرف۔“ عمارہ اپنے ہی لفظوں میں خود پھنس گئیں۔

”اب تو زبان دے دی ہے انہیں۔ اب پلٹنا مشکل ہو گا آپا..... دوسرے رشتے پر بھی اثر پڑے گا۔ آپ تو بڑی ہیں جانتی ہیں سب کچھ۔“

”تو یوں کہو ناں، دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھنا چاہتی ہوں۔“

”اس میں کوئی شک نہیں آپا..... میں آپ دونوں سے ہی جڑی رہنا چاہتی ہوں۔“ ماہ پارہ کے دل کو بہت برا لگا لیکن خاموش رہیں اور دل ہی دل میں کہا کہ وہ افق کو اس رشتے کے لیے رضا مند کر لیں گی۔

☆☆☆

سارا گھر سو رہا تھا اور ماہ پارہ بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدل رہی تھیں۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ کچن سے کھڑ پٹری آوازیں آرہی تھیں۔

”ضرور افق ہی ہوگی۔“ ماہ پارہ نے سوچا اور بستر سے نکلیں، دبے پاؤں باہر آئیں، کچن کی لائٹ جل رہی تھی۔ افق اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔ ماہ پارہ سائڈ میں ہو گئیں اور افق کو نوٹ کرتی رہیں۔ افق نے فریج سے ڈبل روٹی نکالی اور چائے کا بگ سائز کپ لے کر ڈائننگ روم میں آئی۔ ٹی وی آن کیا اور سلاکس چائے سے کھانے لگی۔

ماہ پارہ ڈائننگ روم میں آ گئیں۔ افق نے ایک نگاہ ماہ پارہ کو دیکھا اور پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

ماہ پارہ کو عجیب سا لگا۔

افق انہیں دیکھ کر چونکی نہیں چڑی نہیں جوں کی توں بیٹھی چائے اور سلاکس کھاتی رہی۔ ماہ پارہ نے جیسے افق سے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈا۔

”سلاکس ایسے ہی کھا رہی ہو افق۔ کم سے کم گھی لگا کر سنیک تو لیتیں۔“

”مجھے ایسے ہی کھانے کی عادت ہے اور ویسے بھی امی کا گھی خرچ ہو جائے گا..... اس لیے میں ان لوگوں کا راشن پانی زیادہ استعمال نہیں کرتی۔“ افق نروٹھے سے لہجے میں بولی۔

”یہ تمہارا ہی گھر ہے افق۔“ ماہ پارہ کو حیرانی ہوئی

”آدھی رات کو اپنے بستر سے نکل کر آپ صرف مجھے یہی بتانے کے لیے آئی ہیں۔“ ماہ پارہ کنفیوزی

ہو گئیں۔ دل ہی دل میں سوچا۔

”اس سے ہمدردی یا محبت کرنے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اسے اپنے والدین سے بہن، بھائیوں سے نفرت ہے۔ بدگمان ہے یہ ان لوگوں سے۔ مجھے چاہیے کہ اسے مزید بدگمان کروں۔ بھڑکاؤں ان کے خلاف شاید کوئی رزلٹ نکل آئے۔“ ماہ پارہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”افق کو ماہ پارہ کی موجودگی کا جیسے کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ افق نے بھدے سے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کا دوپٹا بھی جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ وہ اکثر ایسے ہی حلیے میں نظر آتی تھی۔

”تو تم اچھے اور صاف ستھرے کپڑے بھی اس لیے نہیں پہنتیں کہ تم ان لوگوں کا خرچہ نہیں کرانا چاہتیں۔“ ماہ پارہ نے بڑی ہوشیاری سے کہا۔ افق نے کوئی جواب نہیں دیا چپ رہی۔

”کیسا تو اتنے اچھے کپڑے پہنتی ہے، خود تمہاری ماں کا پہناوا بھی اچھا ہی ہوتا ہے۔ حالات کا اثر ان لوگوں پر تو کبھی نظر نہیں آیا اور تمہیں جب دیکھو ایسے ہی گھسے پٹے کپڑے پہنے رہتی ہو۔“

”اسی لیے میں کسی کے سامنے نہیں آتی جاتی کہ لوگ مجھے نہیں میرے پہناوے کو دیکھیں گے، باتیں بنائیں گے جس طرح آپ بنا رہی ہیں۔ کیا حق پہنچتا ہے آپ کو میرے کپڑوں پر تنقید کرنے کا، میں نے کہہ دیا نا نہیں کرنا چاہتی میں ان لوگوں کا پیسہ خود پر خرچ..... پھر کیوں کرید رہی ہیں آپ میرے زخموں کو بار بار۔“ افق چڑ کر بولی۔

”آہستہ بولو افق سب سو رہے ہیں۔ جاگ جائیں گے۔“

”پھر کیا ہوگا، مجھے ہی برا کہیں گے سب، آپ کو تو نہیں ناں..... مجھے اپنی برائیاں سننے اور سہنے کی اچھی طرح سے عادت پڑ چکی ہے۔“

”یہی تو چاہتی ہے تمہاری ماں کہ تمہیں لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار کر دے..... اور تم مزے سے اس کا ہتھیار بن رہی ہو۔ سو تیرا سمجھتی ہیں وہ تمہیں۔ حد ہے حق تلفی کی، بچپن سے اب تک تمہارے ساتھ ہی حق تلفی کیے جا رہے ہیں دونوں میاں بیوی اور احساس ہی نہیں انہیں۔“ افق چونکی، حیران ہوئی۔

”تم سے چھوٹی ایسا کو تمہارے ماموں، ممانی نے کیوں لیا۔ یہ سوچا کبھی تم نے..... تم سے زیادہ خوب صورت تو نہیں ایسا لیکن وجہ کیا تھی۔ صرف یہ کہ ایسا کی تعریفیں اس کی خوبیاں ہر وقت بیان کرتی نظر آتی ہے تمہاری ماں..... گھر گریستن ہے، سلیقہ شعار ہے وغیرہ وغیرہ۔ خود ہی تو تمہاری جڑیں کاٹ رہی ہے تمہاری ماں اور الزام تمہیں دیتی ہے کہ تم میں صلاحیتیں نہیں ہیں۔ ارے کم عقل لڑکی ذرا سوچو کس طرح کنویں میں مل کر دھکیل رہے ہیں یہ لوگ تمہیں، قسمت تمہیں موقع دے رہی ہے ان سب کو نیچا دکھانے کا، خود کو منوانے کا اور تم اپنے ہی ہاتھوں سے ضائع کر رہی ہو۔“

”کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟“ افق نے حیرانی سے پوچھا۔

”یہی کہنا چاہتی ہوں کہ حارث پڑھا لکھا لڑکا ہے، تمہاری پرابلمز کو اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے۔ تم آگے پڑھنا چاہتی ہو۔ میں پڑھاؤں گی تمہیں۔ میرا حارث تمہارا ساتھ دے گا پھر دیکھنا تم اپنے گھر والوں کو، کیسے

جل کر خاک ہو جائیں گے تمہاری کامیابی پر۔ تمہاری ماں تو شروع سے ہے ہی ایسی۔ جب تم پیدا ہوئی تھیں ناں تو تمہارے باپ نے تمہاری ماں کو گھر سے نکال دیا تھا۔ ہر وقت عمارہ تمہیں اور اپنی قسمت کو کوستی رہتی تھی۔ شروع سے ہی نفرت رہی ہے عمارہ اور تنزیل کو تم سے۔ جب عمارہ ہوا تب تنزیل نے تمہاری ماں کو اہمیت دی پھر عمیر ہو گیا تو اس کے پچھن ہی نرالے ہو گئے۔ دو بیٹوں پر اتنا فخر ہوا کہ ایسی ویسی عورتوں کے پاس جانا شروع کر دیا بلکہ گھر میں لانا شروع کر دیا۔ بچوں کو بچپن سے ہی ضرورت ہوتی ہے ماں باپ کی محبت اور توجہ کی۔ تمہاری ماں نے تو بچپن میں تم لوگوں کو دیکھا بھی نہیں کہاں پلے ہو اور کہاں نہیں۔ سارا دن میرے پاس ہی رہا کرتے تھے تم لوگ۔ اب تنزیل میاں پارٹی میں لے کر جا رہے ہیں تمہاری ماں کو کبھی کہیں، کبھی کہیں۔ سب کچھ اسی چکر میں برباد ہوتا چلا گیا۔ تمہاری ماں تک کر نہ بیٹھی بچوں کے ساتھ۔ سوچتی تھی اگر شوہر کو تنہا چھوڑ دیا تو پرانی عورتوں کا ہو جائے گا۔ اسی لیے اس کے ساتھ ہر جگہ جاتی تھی۔ نہ پیسہ بچا سکی نہ شوہر، رہی سہی اولاد بھی، بدظن اور بد دل ہوتی چلی گئی۔“ اُفق ماہ پارہ کے منہ سے سچائی جان کر رونے لگی۔

”تم کیا سمجھتی ہو کہ صرف پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے تمہاری ماں نے تمہیں نہیں پڑھایا۔ ارے وہ تو یہ چاہتی تھی کہ تم گھر میں بیٹھو اور اس کے بچے پالو۔“ ماہ پارہ نے اُفق کو پیار کر کے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ اُفق کے دل میں تو پہلے ہی ایسے خیالات تھے اوپر سے ماہ پارہ تصدیق بھی کر رہی تھیں۔ اب اُفق پھوٹ پھوٹ کر نہ رونی تو کیا کرنی۔ لوہا گرم تھا اور چوٹ بھی برابر لگ رہی تھی۔

”تم ایک بار ہاں کرو اُفق، میں تمہیں پڑھاؤں گی۔ تم ایم بی اے کرنا چاہتی تھیں نا، میں تمہیں کراؤں گی۔ میں اور حارث تمہارے خواب پورے کریں گے اور ایک دن تم دیکھنا یہی سب لوگ تمہارے قد کے سامنے کتنے چھوٹے لگیں گے۔ اتنی عظیم اور کامیاب ہستی بنا دوں گی میں تمہیں۔ تم سن رہی ہو نا اُفق۔“ اُفق رو رہی تھی۔ ”آپ سچ کہہ رہی ہیں خالد۔“ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بولی تو ماہ پارہ کے دل میں تو شہنایاں بجنے لگیں۔

”ارے سو فیصد سچ کہہ رہی ہوں میری جان، دل کڑھتا ہے میرا تمہارا یہ حال دیکھ کر، بہت پیاری ہو تم مجھے۔“

”اگر میں اتنی ہی پیاری تھی آپ کو تو آپ نے پہلے ہی کیوں نہیں سوچا میرے بارے میں؟ کیوں عینا کے لیے گئیں آپ؟“ اُفق نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ماہ پارہ ٹپٹا گئیں۔

”تمہاری ماں کی وجہ سے..... تھوڑی برائیاں کرتی ہے وہ تمہاری۔ نزدیک بھی ہونے نہیں دیتی وہ تمہارے کسی کو..... اور پھر میری جان سچ بتاؤں تمہیں، میں تو بہن، بھائیوں سے جڑی رہنا چاہتی ہوں، اب چاہے میرے گھر میں کسی کی بھی بچی آ جاتی..... تمہیں تو پتا ہی ہے عاصمہ اور ساجدہ بڑی تھیں سب کزنز سے اسی لیے انہیں باہر بیاہنا پڑا، حارث بھی تم لوگوں کے ساتھ کا ہے تو سوچا اسی بہانے سہی مگر قدر نہیں کی حسنین نے میری..... ٹھیک نہیں کیا ہے تمہاری ماں نے وٹہ سٹہ وہاں۔ خالدہ بڑی ہوشیار ہے، نہیں سنبھال سکے گی عمارہ یہ بوجھ۔“

”امی کو بڑا یقین ہے، بڑے سمجھ دار ہیں امی کے دونوں بچے..... آج نہیں آنے دیں گے ایک دوسرے پر۔“ اُفق طنزیہ ہنستے ہوئے بولی۔ ماہ پارہ نے دل ہی دل میں سوچا۔ ”اے تم دیکھتی جاؤ، ان کا تو ایسا طبلہ پٹے گا کہ دُنیا جہاں دیکھے گا۔“

”دیکھو اُفق، قسمت تمہیں ابھرنے کا اوپر آنے کا پورا موقع دے رہی ہے۔ تم اسے گنوا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاؤ گی۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، تم اپنا آپ منوانا چاہتی ہو یا دُنیا کے رحم و کرم پر خود کو چھوڑنا۔ یاد رکھنا اُفق! ابھی تو یہ لوگ تمہیں برداشت بھی کر رہے ہیں۔ ایک دن آئے گا تمہیں پوچھنا تو ایک طرف تمہارا مذاق اڑایا کریں گے یہ۔ ختم ہو جاؤ گی تم بالکل۔ ابھی بھی وقت ہے مت موقع ضائع ہونے دو۔“

”مجھے کچھ وقت چاہیے خالد۔“ اُفق، ماہ پارہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ماہ پارہ کی تو باجھیں کھل اٹھیں۔

”کیوں نہیں بلکہ اچھی طرح سے سوچ لو۔ ہر لحاظ سے تمہیں اپنا ہی فائدہ نظر آئے گا۔ میں اگلے ہفتے آؤں تو تمہارے اندر تبدیلی ملے مجھے اور ہاں جواب بھی ہاں میں ہی ہونا چاہیے، سنا تم نے۔“ ماہ پارہ نے لاڈ سے کہا تو اُفق مسکرائی۔ ماہ پارہ نے اُفق کو گلے سے لگالیا۔

☆☆☆

”بھئی ہمیں تو ماہ پارہ آپا کے اس اقدام نے واقعی حیران کر دیا۔ ہمارا تو خیال تھا کہ ماہ پارہ آپا ناراض ہو کر ایک سائنڈ پریٹھ جائیں گی لیکن اچھی اور مثبت سوچ آئی ہے ان کی ہمارے سامنے۔“ خالدہ، عمارہ سے بولیں تو حسنین بھی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

”تو پھر کیا فیصلہ کیا تم نے.....؟“ حسنین نے عمارہ سے پوچھا۔

”کیا فیصلہ کروں جب بیٹی ہی قابو میں نہیں، بالکل انکار کر دیا ہے اُفق نے۔ الٹا زبان درازی بھی کی آپا کے ساتھ۔ میں اتنی شرمندہ ہوئی کہ بتا نہیں سکتی۔“ عمارہ بیگم دکھ اور بے بسی سے بولیں۔ اُفق جو کمرے میں آرہی تھی باہر ہی رک گئی۔ اُفق کو ماں کے الفاظ تیر کی طرح لگے۔ اُفق کا سارا موڈ خراب ہو گیا۔ عمار نے اُفق کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ اُفق، ماں کی باتوں سے خائف نظر آرہی ہے۔ عمار نے فوراً موضوع بدلا۔ اُفق کمرے میں نہیں آئی واپس چلی گئی۔

☆☆☆

”کیا ضرورت ہے آپ کو ہر ایک کے سامنے اُفق کی برائیاں کرنے کی۔ آج آپ ماموں، ممانی کے سامنے بھی اس کے کیڑے چننے بیٹھ گئیں۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ۔ کیا یہ تاثر نہیں پڑے گا ان پر کہ ایسا بھی اسی گھر کی بیٹی ہے کہیں نہ کہیں وہ بھی ایسی ہی ہوگی۔“

”ہرگز ایسی نہیں ہے میری ایسا۔ وہ ہی نہیں پورا انھیال جانتا ہے۔ سلام کی توفیق تک تو ہوتی نہیں اسے اور تم کہہ رہے ہو کہ میں اس کا ذکر کسی سے نہ کروں۔ وہ لوگ یہاں آ جا رہے ہیں اپنی آنکھوں سے سارا حال

دیکھ رہے ہیں۔ اُفق نہ گھریلو امور میں دلچسپی لیتی ہے اور نہ ہی کسی آنے والے سے بولتی ہے۔ منہ کا بول تک نہیں دیتی وہ کسی کو۔ سکے ماموں ممانی ہیں وہ اس کے۔ مجھے ہی پتا ہے کتنی سکی محسوس ہوتی ہے مجھے حسین بھائی اور خالدہ بھابھی کے سامنے۔“

”امی اب اُفق کچھ تبدیل ہو رہی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں اب وہ رات کو نہیں دن میں سو کر اٹھتی ہے۔“
 ”ہاں بس یہی تبدیلی آئی ہے اس میں کہ اب رات کو نہیں دوپہر میں سو کر اٹھتی ہے۔ تھوڑا بہت کھانا بھی کھا لیتی ہے مگر مجھے ایک بات بتاؤ تم..... کیا کروں میں اس تبدیلی کا۔ جو کچھ بھی اس نے ماہ پارہ آپا کے ساتھ کیا ہے تمہیں لگتا ہے وہ دوبارہ اس گھر میں آئیں گی۔ آخر مجبوری کیا ہے اُن کی جو وہ آئیں میری ناکارہ، بد مزاج اور جھگڑالو بیٹی کے لیے جسے آج تک ڈھنگ کی چائے تک بنانی نہیں آتی، ہانڈی روٹی تو ایک طرف۔ مہمانوں سے سلام دُعا تک نہیں کر سکتی وہ مہمان نوازی تو ایک طرف۔“

”نہ آئیں بے شک خالدہ..... لیکن اُفق میں تبدیلی آرہی ہے امی اور پلیز آپ اس کی اس تبدیلی کا خیر مقدم کریں تاکہ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے، نارل ہو جائے سب کچھ۔ پلیز! پلیز امی۔“ عمار، ماں کو سمجھانے لگا۔ عمارہ بیگم خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

ماہ پارہ، عاصمہ اور ساجدہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں۔ اُفق نے میز پر چائے اور سامان رکھا۔ تینوں سے ملی اور باہر چلی گئی۔

عمارہ بیگم بیٹی کی اس تبدیلی پر بہت خوش اور صدمہ دار تھیں لیکن جب عمارہ بیگم نے عاصمہ اور ساجدہ کی طرف دیکھا تو چونک گئیں۔ دونوں کے موڈ بگڑے ہوئے تھے جبکہ ماہ پارہ بہت خوش تھیں۔
 ”آپ کے قدم میرے گھر میں اتنے بھاگوں آئے کہ میری بیٹی کے مزاج میں تبدیلی آگئی۔“ عمارہ نے بہن سے کہا۔

”دیکھنا اب اور بھی بدل جائے گی۔“ ماہ پارہ نے یقین دہانی کرائی۔

”کیا بات ہے خالہ، آپ اُفق کو کچھ کھلاتی پلاتی نہیں کیا۔ دیکھیں تو کتنی کمزور دکھائی دے رہی ہے۔“ ایسے جیسے برسوں سے فاقہ زدہ ہو۔“ عاصمہ فوراً بولی۔ عمارہ بیگم شرمندہ سی ہو گئیں۔

”ارے لڑکیاں تو ایسی ہی ہوتی ہیں، دھان پان نازک سی۔ اب تم لوگ دو دوسن کی دھو بن ہو گئی ہو تو یہ تو مت بھولو کہ شادی سے پہلے تم لوگ بھی اسارٹ ہوا کرتی تھیں۔“ ماہ پارہ نے ڈپٹ کر کہا۔

”خیر امی اتنا مبالغہ تو نہ کریں۔ اب اتنے بھی کمزور نہیں تھے ہم لوگ۔ کھاتے پیتے گھر کے بچے کبھی بھی

اتنے کمزور نہیں ہوتے۔“ ماہ پارہ نے غصے سے بیٹی کو دیکھا۔

”کتنی باتیں بنانی آگئی ہیں تمہیں بالکل اپنے سسرال والوں کی طرح..... یہ مت بھولو، یہ میری بہن کا گھر ہے اور بھانجی ہے اُفق میری، ایک لفظ برداشت نہیں کروں گی میں اس کے خلاف..... حارث کی امانت ہے

اب وہ اس گھر میں اور میں اپنے حادث کی ہر چیز کو بہت سنبھال کر بڑی حفاظت سے رکھتی ہوں۔“ عمارہ کو جیسے تقویت ملی اور وہ دل ہی دل میں سوچنے لگیں۔

”سکہ تو گھر میں آ پا کا ہی چلتا ہے۔ بیٹیوں کا نہیں۔ آ پا اتنی پنچھاور ہیں میری بیٹی پر، مجھے بالکل پریشان نہیں ہونا چاہیے۔“

”میں تو شادی بہت جلد کرنے کے موڈ میں ہوں بلکہ اگلے مہینے کی تاریخ طے کر لیتے ہیں۔“ ماہ پارہ نے عمارہ سے کہا۔ عمارہ بیگم اس اچانک افتاد کے لیے بالکل تیار نہیں تھیں۔

”آ پا اتنی جلدی، میں نے اور تنزیل نے سوچا ہوا ہے کہ ہم اپنے بیٹیوں بچوں کی شادی ایک ساتھ ہی کریں گے۔“

”بالکل بھی نہیں، بڑے بوڑھے کہا کرتے تھے تین تیرہ بڑا کھیڑا۔ تین بچوں کی شادی ہرگز ایک ساتھ نہیں کرنی چاہیے۔ تم پہلے افق کی شادی کرو پھر بھلے سے عمار اور ایسا کی کر لینا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے آ پا۔۔۔۔۔۔ لیکن آپ سے تو میرا کچھ بھی پوشیدہ نہیں، ابھی عمار، تنزیل کے قرضے سے نکلا ہے، وقت لگے گا تیاری کرنے میں۔ میں نے تو ابھی سوئی بھی نہیں خریدی، آپ شادی کی بات کر رہی ہیں۔“

”دیکھو عمارہ، ہم دونوں بہنیں ہیں، غیر نہیں۔ مجھے بالکل بھی جھینے کا لالچ نہیں ہے۔ سب کچھ ہے میرے پاس اور میرے بیٹے ہی کتنے ہیں۔ سبھی کچھ حادث کا ہی تو ہے۔ حادث کے پاس سب کچھ ہے۔ بس گھر والی کی ضرورت ہے اسے۔ میں تو کہوں گی تم ان چکروں میں نہ پڑو۔ شرع کے مطابق نکاح پڑھو اور ہماری امانت ہمارے حوالے کرو۔ اللہ اللہ خیر سلا۔“ عمارہ بیگم حیران اور پریشان سی تھیں۔

☆☆☆

”نہ اتنی ہٹ دھرمی پر اترتیں تم تو آج میں یوں سولی پر نہ لٹک رہی ہوتی۔ کھانا پکانا تک نہیں آتا تمہیں میں کیسے ایک مہینے کے اندر اندر تمہیں ان کے ساتھ چلتا کر دوں۔“

”یہ بات آپ مجھ سے کیوں کر رہی ہیں خالہ سے کریں۔ جلدی انہیں ہے مجھے تو نہیں۔ یہ کیا کم احسان کی بات ہے کہ میں نے آپ لوگوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔“ افق ہٹ دھرمی سے بولی۔ عمارہ بیگم گہری سانس کھینچ کر رہ گئیں۔

”ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے افق، یہ بات آپ خالہ سے کریں کہ کم از کم چھ ماہ تو دیں وہ ہمیں۔ اتنے شارٹ نوٹس پر شادیاں نہیں ہوتیں۔ شادی ہے کوئی مذاق تو نہیں۔“ عمار ماں سے بولا۔

”مگر آ پا انہیں مان رہیں۔ بہت کہہ لیا میں نے انہیں۔ مجھے ڈر ہے زیادہ کہوں گی تو رشتے سے بھاگ جائیں گی۔“

”تو بھاگ جانے دیں، میں کون سامری جا رہی ہوں اس رشتے کے لیے۔“ عمارہ بیگم نے غصے سے افق کی طرف دیکھا۔

”اپنا لہجہ بدلو افق۔ سسرال میں ساس، مندوں سے تم اس لہجے میں بات نہیں کر سکتیں۔ کچھ اصول کچھ طور طریقے ہوتے ہیں زندگی گزارنے کے۔“

”دیکھیں امی! خالہ اچھی طرح جانتی ہیں میں کیسی ہوں۔ اگر انہیں میرے کسی رویے پر، طور طریقے پر اعتراض ہوتا تو وہ ہرگز مجھ پر اپنے بیٹے کا سوال نہ ڈالتیں۔“

”مگر یہ بھی مت بھولو افق، کچے اور پکے ناتے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ساس بننے کے بعد خالہ ہو یا چاچی یا مامی..... ساس ہی بن جاتی ہے۔ کوئی بھی تمہارا یہ ہٹیلاپن برداشت نہیں کرے گا۔ جس قدر تم مجھ سے زبان درازی کرتی ہو کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا۔ میں ہی جی جی کرتی آ رہی ہوں۔“

”آپ نے میرے ساتھ جتنی حق تلفیاں کی ہیں اتنی اور کسی نے بھی نہیں کیں اور اگر کوئی کرے گا تو میں اسے بھی ایسے ہی جواب دوں گی، برداشت نہیں کروں گی، سن لیں آپ۔“ عمار نے ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھا جیسے مزید بحث سے روک رہا ہو۔ عمارہ بیگم چپ ہو گئیں۔

☆☆☆

”حسین بھائی سے بھی مشورہ کیا ہے میں نے۔ وہ لوگ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ آپا جیسا چاہتی ہیں مجھے ویسا ہی کرنا چاہیے۔“

”تو پھر لے لو اپنے بھائی سے قرض اور بیاہ لو بیٹی۔ لوگوں سے مشورے کرنے چلی ہو تم عمارہ بیگم، اپنے پیٹ کا اپنے حالات کا تمہیں پتا ہے۔ اچھی طرح سے پتا ہے، کیا ضرورت ہے مشورہ کرنے کی۔“

”تو کیا کروں تنزیل..... عمار کے کاروبار کی فی الحال پوزیشن ایسی نہیں ہے کہ میں لمبا چوڑا اہتمام کر سکوں۔“

”تو کہا کس نے ہے تمہیں کہ لمبا چوڑا کرو۔ جب اگلے بھی سادگی سے ہی شادی پر دباؤ دے رہے ہیں، کر دیتے ہیں سادگی سے شادی۔“

”یہ دیکھیں..... خدا کے واسطے آپ تو بس چپ رہیں۔ پہلے ہی افق پچھلے پانچ سال سے ہم سے

نالوں ہے کہ ہم نے اس کا کیریئر تباہ کر دیا۔ پیسہ خرچ نہیں کیا اس پر..... اب شادی بھی سادگی سے کروں گی تو اور

بدظن ہو جائے گی۔ بد دل ہو جائے گی ہم سے۔ زندگی بھر کی شکایتیں اور بڑھ جائیں گی اس کی۔ دیے بھی جہیز

لڑکی کا مان ہوتا ہے، اعتماد ہوتا ہے۔ تین کپڑوں میں رخصت کر دوں گی تو کس طرح اپنا اعتماد بحال کر پائے گی

وہ۔ پہلے ہی ساری دنیا سے نانا توڑ رکھا ہے اس نے اپنا، ملتی ملاتی نہیں کسی سے، اب اس کی اس حیثیت کو بھی ختم

کر دوں تاکہ سر اٹھا کر جی ہی نہ سکے وہ وہاں۔ ایسا ہرگز نہیں کروں گی میں۔ چاہے مجھے حسین بھائی سے قرض ہی

کیوں نہ لینا پڑے، میں افق کی شادی دھوم دھام سے ہی کروں گی۔“ عمارہ بیگم نے غصے سے تنزیل کی طرف

دیکھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر بولیں۔

☆☆☆

”کتنی آسانی سے تمہاری بہن نے تین لاکھ روپے مانگ لیے۔ ذرا شرم نہیں آئی اسے، آخر وہ ہمیں بھی بیٹی دے گی۔ کم سے کم یہی سوچ لیتی۔“

”وہ بیٹی دے نہیں رہی لے بھی رہی ہے..... اور یہ تمہاری ہی خواہش تھی۔ اب کیوں بحث کر رہی ہو تم مجھ سے۔“ حسین چڑ کر بولے۔

”بڑی ہمدرد بن کر آئی تھیں ماہ پارہ آپا..... اور دیکھو تو یہ ہمدردی کر رہی ہیں۔ قرض میں ڈبو کر جا رہی ہیں بہن کو۔“

”یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے خالدہ..... عمارہ کو قرض دوں گا تو لے بھی لوں گا۔ اور کون سی زیادہ رقم ہے صرف تین لاکھ ہی تو ہیں۔ لوٹا دے گا عمار، وعدہ کیا ہے اس نے..... اس بات کو بحث میں مت لاؤ۔“



ایک ماہ شادی کی تیاریوں میں کیسے گزرا پتا ہی نہیں چلا..... اور وہ دن بھی آ گیا جب افق دہن بنی بیٹی تھی اور نکاح کے بعد سب ایک دوسرے کا منہ میٹھا کر رہے تھے۔ بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے عمارہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

”آپا! میری بیٹی افق بہت نادان ہے۔ کم عقل ہے، ذرا سی ضدی ہے۔ خدا کے واسطے اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ رکھیے گا اور ہان کچن داری کے معاملات میں بھی کمزور ہے البتہ جو کچھ بھی آپ سکھائیں گی سیکھ جائے گی۔“

”تم بالکل فکر مت کرو۔ افق اب تمہاری نہیں میری بیٹی ہے۔ سب کچھ سکھاؤں گی میں اسے۔ یہاں تک کہ اسے پڑھاؤں گی بھی۔ سارے ارمان پوری کروں گی اس کے۔“ ماہ پارہ بہن کو خود سے لگا کر بولیں۔

”آپا! میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھول سکتی۔ خدا میری بیٹی کو سدا خوش اور آباد رکھے۔“

”افق کے ساتھ رحمدلی کا برتاؤ رکھنا حارث، تم دونوں ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی ہو۔ وقت لگے گا تمہیں ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے۔“ عمارہ بیگم رخصت کرتے وقت داماد سے ملتے ہوئے بولیں۔

”آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں آنٹی، افق اب آپ کی نہیں میری عزت ہے اور کوئی مرد نہیں چاہتا اس کی عزت معاشرے کی نظروں میں گرے۔“ عمارہ بیگم کا دل بھر آیا۔ انہوں نے حارث کی پیشانی چوم لی۔



”بھی کمال ہے، جو کام تمہیں کرنا چاہیے تھا میں کر رہی ہوں، میں سمجھی تم لوگ چلی گئی ہو اور تم تو یہاں بیٹھی ہو اور یہ کیا..... تمہارے تیور کیوں بگڑ رہے ہیں؟“

عاصمہ اور ساجدہ دونوں منہ بنائے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں۔ ماہ پارہ، افق کو اس کے کمرے میں بٹھا کر باہر آئیں تو حیرانی سے بولیں۔

”یہ عزت افزائی ہوئی ہے ہماری اور ہمارے شوہروں کی۔ وہاں ڈھنگ کا کھانا تک نہیں تھا۔ سلیقے کے

رتن نہیں تھے، ریسپشن نہیں تھا اور تو اور جس نے بھی اُفق کو دیکھا یہی کہا، ارے یہ کیا..... بس یہی رہ گئی تھی حارث کے لیے، آخر دیکھا کیا تھا آپ نے امی۔ حارث کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اسے دیکھ کر۔ رنگ اتنا سانا لولا اور اتنی کمزور کچھ بھی نہیں ہے، آگے سے بولتی ایسے ہے جیسے سپاہی۔ عمارہ خالہ اتنی ہی پسند تھیں آپ کو تو آپ لہیہا پر سوال ڈال دیتیں۔ ہزاروں نگاہیں لہیہا کی طرف اٹھی ہوئی تھیں آج۔ ایک آپ کی ہی نگاہ نہ گئی اس پر۔“

”اُفق کمرے میں بیٹھی ہے۔ سب آوازیں اُفق تک جا رہی ہیں۔“ ماہ پارہ بیگم نے غصے سے بیٹی سے کہا۔ ”عاصمہ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا تم اس طرح کی فضول باتیں کرنا بند کر دو ورنہ ٹھیک نہیں ہو گا تمہارے لیے۔ کیوں تم حارث کی زندگی کو خراب کرنے پر تلی ہو۔“

”میں کیا خراب کروں گی امی۔ آپ خراب کر چکی ہیں۔ نہ ڈھنگ کا جینز، نہ شکل صورت آگے سے ہماری پذیرائی ایسی ہوئی ہے کہ دیکھنے کے قابل۔ اتنے ارمان تھے ہمیں حارث کی شادی کے۔ سینکڑوں لڑکیاں اس کے لیے پسند کیں میں نے۔“

”بس! چپ کرو عاصمہ اپنا سامان اٹھاؤ اور اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو اور اگر اپنے گھر جانا ہے تم دونوں نے تو چلی جاؤ۔ شاید یہ بہتر ہوگا ہم سب کے لیے۔“ ماہ پارہ بیگم غصے سے بولیں اور اُفق کے کمرے میں چلی آئیں۔ اُفق کمرے میں کچھ پریشان سی بیٹھی تھی۔

”تم ان کی باتوں کو دل پر مت لگانا۔ یہ گھر میرا ہے، تمہیں اس گھر میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ کوئی کچھ نہیں کہے گا تم میرے حارث کی دلہن ہو۔ اور میرا حارث میرے لیے سب سے قیمتی سب سے اہم ہے۔ حارث سے وابستہ ہر چیز کی قدر ہے میرے گھر میں۔ تمہیں گھبرانے اور پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں، آرام کرو تم، میں حارث کو دیکھتی ہوں کہاں رہ گیا۔“ ماہ پارہ بیگم کمرے سے نکلیں اور اُفق اپنے بیڈ پر بیٹھی دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

”خالہ میری سوچ، میری توقع سے بھی بڑھ کر مخلص ہیں میرے لیے۔ اتنی سپورٹ تو کبھی امی نے بھی میری نہیں کی تھی جتنا پہلے ہی دن خالہ نے کی۔ میں کوشش کروں گی خالہ کہ آپ کا مان قائم رکھوں۔ جتنی چاہت سے آپ مجھے لے کر آئی ہیں آپ کی چاہت کم نہ ہونے پائے۔ آپ مجھے ایسی ہی سپورٹ کرتی رہیں۔ مجھے واقعی آپ کی سپورٹ کی ضرورت ہے۔ اتنے عرصے کے بعد مجھے اتنی گید رنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ میں بے حد کنفیوز ہو رہی تھی۔ سب لوگ مجھے دیکھ رہے تھے اور مجھے الجھن ہو رہی تھی۔ میں تو گھر میں ہی رہتی تھی بلکہ صرف اپنے کمرے میں ہی رہتی تھی۔ گھر آئے مہمانوں سے بھی نہیں ملتی تھی۔ پورے پانچ سال نہ جانے میں نے خود کو سزا دی یا اپنے گھر والوں کو۔ پتا نہیں میری رخصتی کے بعد کیسا ماحول ہو رہا ہو گا اس گھر کا۔ امی ابو کے سر سے تو جیسے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہے۔ عمار اور لہیہا بھی خوش ہوں گے۔ مجھے نہیں لگتا کسی کو میری کمی محسوس ہوئی ہوگی۔ میں گھر والوں کے درمیان بیٹھتی ہی کہاں تھی۔“ اچانک کمرے میں آہٹ ہوئی تو اُفق جو اپنی سوچوں میں گم تھی چونک گئی۔ حارث آہستہ آہستہ چل کر قریب آیا اُفق کیوزی دکھائی دے رہی تھی۔ حارث کی ہنسی نکل گئی۔ اُفق

حیرانی سے حارث کو دیکھنے لگی۔ حارث ہنسا۔ اُفتخ کو لگا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔
 ”کیا واقعی میں دلہن بن کر خوب صورت نہیں لگ رہی..... اُفتخ نے دل ہی دل میں سوچا معاً حارث،
 اُفتخ سے ایکسکلیو ز کرنے لگا۔“

”آئی ایم سوری..... دراصل مجھے اس لیے ہنسی آ گئی تھی کہ یہاں سب نے تمہارا عجیب سا نقشہ کھینچ رکھا تھا۔ لڑا کا ہے، جھگڑا لو ہے، میں تو سمجھا تھا کوئی چنگیز خان کی پوتی آرہی ہے میری زندگی میں۔ اندر آیا ہوں تو معلوم ہوا کہ یہ تو کوئی چڑیا جیسی لڑکی بیٹھی ہے جو شاید مجھ سے خوفزدہ ہے۔“ اُفتخ حیران حیران حارث کو دیکھ رہی تھی۔ حارث کے خوب صورت اور ہینڈسم سراپا کو دیکھ کر اُفتخ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
 ”رات بہت ہو گئی ہے تم کپڑے وغیرہ چھینچ کر لو۔ میں بھی فریش ہو جاتا ہوں۔“ حارث نے کہا اور
 واش روم میں چلا گیا۔ اُفتخ دل میں سوچنے لگی۔

”میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ میری زندگی میں یہ لمحے بھی آئیں گے۔“ اُفتخ چھینچ کرنے کی غرض سے اٹھ کر آئینے میں خود کو دیکھنے لگی۔ اُفتخ کو اپنا آپ بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔
 ”ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں سب لوگ بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی میں۔ آنکھوں کا میک اپ تو دیکھو ذرا کیسا کر رکھا ہے میرا۔ ساری آنکھیں دھنسی پڑی ہیں اور لپ اسٹک اتنی پھیلا کر لگا دی۔ بیس کا کلر بھی بالکل اچھا نہیں ہے۔ اب اتنا بھی رنگ کالا نہیں ہے میرا۔ پتا نہیں کیا سوچ کر تین گھنٹے تک میں اپنی شکل پر یہ رنگ چڑھواتی رہی ہوں۔ اُف تو یہ ہے! اتنی بد صورت تو میں زندگی میں کبھی نہیں لگی جتنی آج لگ رہی ہوں۔ تبھی حارث نے میری پذیرائی میں کوئی لفظ نہیں کہا..... بلکہ حارث کو میری شکل دیکھ کر ہی ہنسی آئی ہوگی۔“ اُفتخ شرمندہ ہوتے ہوئے زیورات اتارنے لگی۔



ماہ پارہ بیگم اور حارث دونوں ناشتا کر رہے تھے۔ ماہ پارہ نے حارث سے پوچھا ”کیسی لگی تمہیں اپنی
 دلہن.....“ اُفتخ کمرے سے نکلتے نکلتے واپس پردے کی اوٹ میں ہو گئی۔
 ”آپ کی پسند ہے۔ برائی تو نہیں کر سکتا میں۔“ اُفتخ پردے کی اوٹ میں کھڑی رہی۔
 ”اس کا مطلب ہے تمہیں اُفتخ پسند نہیں آئی۔“ ماہ پارہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
 ”نہیں، نہیں، ایسی بات نہیں۔ اُفتخ اچھی ہے۔“ اسی وقت اُفتخ کمرے سے باہر آ گئی۔ ماہ پارہ، اُفتخ کو
 دیکھ کر مسکرائیں۔

”آؤ، آؤ، اُفتخ ابھی تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے ہم لوگ۔“ اُفتخ خاموشی سے آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔
 ”تم نے امی کو سلام نہیں کیا۔“ حارث نے اُفتخ سے کہا۔ اُفتخ جیسے کنفیوز سی ہو گئی۔ فوراً سلام کیا۔
 ”یہ بے چاری کہاں صبح اٹھا کرتی تھی جو اسے معلوم ہو کہ صبح کا سلام کتنا بڑا انعام ہوتا ہے۔“ ماہ پارہ
 نے ہنستے ہوئے مذاق اڑانے والے انداز میں حارث سے کہا۔ اُفتخ اور بھی کنفیوز ہو گئی۔ حارث کے چہرے پر

عجیب سی مسکراہٹ تھی جسے افق سمجھ نہیں پائی۔

”تم ناشتا کرو افق کیا سوچنے لگیں۔“ افق کو گم صم پا کر ماہ پارہ نے ٹوکا تو افق اپنے لیے چائے نکالنے لگی۔
 ”افق یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہے سب حادث کا ہے، میرا ہے، اس لیے تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے ان سب چیزوں پر جتنا ہمارا، کیوں تکلف کر رہی ہو تم، کھل کر کھاؤ اور پلیز، چائے تو مت ہی پیو تم، یہ فریش جوس لو اور یہ پراٹھا کھاؤ آلیٹ کے ساتھ، چائے بعد میں پی لینا۔“ افق ماہ پارہ کے کہے ہوئے پر عمل کرنے لگی۔
 افق ناشتا کرتے ہوئے محسوس کر رہی تھی کہ ماہ پارہ اور حادث باتوں میں اس قدر محو اور مگن ہیں کہ انہیں افق کی موجودگی کا احساس ہی نہیں تھا۔ حادث ماں کی تعریفیں کر رہا تھا اور ماہ پارہ بیگم حادث کی۔
 ”اتنے پیارے لگ رہے تھے تم حادث، میرا دل کر رہا تھا کہ تمہیں اپنے دل میں چھپالوں۔ کہیں نظر نہ لگ جائے تمہیں۔“

”سبھی نے تعریف کی میری سوائے آپ کی بہو کے۔“ حادث مغرور انداز میں بولا۔
 ”ارے افق، تم نے حادث کو دیکھا تھا کل، کتنا خوب رو لگ رہا تھا۔“ افق نے شرمناک نگاہیں جھکا لیں۔
 ”شرمارہی ہے بے چاری۔“
 ”خالہ آپ بھی بہت اچھی لگ رہی تھیں۔“

”خالہ.....“ حادث چونکا۔ ”اب یہ بات بھی تمہیں بتانا پڑے گی..... امی کہو گی تم امی کو۔“
 ”جان جائے گی آہستہ آہستہ۔ اتنی جلد بازی مت کرو۔ دیکھا نہیں عمارہ کیسے کہہ رہی تھی۔ یہ بھی خیال نہیں کیا عمارہ نے کہ سارے لوگ کھڑے ہیں۔ تمہیں سمجھا رہی تھی کہ جلد بازی مت کرنا۔ میں عمارہ کی طرح نا سمجھ نہیں ہوں۔ اپنے بچوں کے میں نے پورے حقوق ادا کیے ہیں۔ کسی کے ساتھ کوئی حق تلفی نہیں کی۔ میرے تینوں بچوں کی شخصیت بھرپور اور مکمل ہے۔“

”خالہ کیا طنز کر رہی ہیں مجھ پر یا کچھ اور جتلانا چاہتی ہیں۔ کتنا عجیب سا لگ رہا ہے خالہ کا اس طرح کہنا۔“ افق نے دل ہی دل میں سوچا اور سر جھکا کر ناشتا کرنے لگی۔

☆☆☆

ماہ پارہ بیگم کمرے میں آئیں تو افق سو رہی تھی۔ ماہ پارہ بیگم نے لائٹ جلائی۔
 ”افق اٹھو ابھی تمہیں پارلر بھی جانا ہے۔ رات کو ولیمہ بھی ہے بھئی۔“ ماہ پارہ نے افق کو آواز دی تو وہ سسکندی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ماہ پارہ، افق کے کپڑے اور زیور نکال چکی تھیں۔
 ”جلدی سے فریش ہو جاؤ۔ عاصمہ آرہی ہے تمہیں پارلر لے جائے گی۔“
 ”عاصمہ آپا.....!“ افق حیران ہو کر بولی۔ ”وہ تو کل آپ سے لڑ جھگڑ کر چلی گئی تھیں۔ اب وہ کیسے آ سکتی ہیں۔“ افق کے بے ساختہ پن پر ماہ پارہ چونکیں۔
 ”تم سے کس نے کہا کہ وہ لڑ جھگڑ کر گئی تھی۔ جو کچھ اس کے ساتھ وہاں ہوا اسی کا غصہ اتار رہی تھی وہ

مجھ پر۔ ورنہ ہم ماں بیٹی کا نہ کوئی جھگڑا ہے اور نہ ہی تنازعہ۔“ ماہ پارہ غصے سے بولیں۔

”آئی ایم سوری خالہ..... میرا مطلب ہے امی۔“ افق نے سنبھل کر کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے جاؤ تم اور ہاں سنو، یہ جو تم جھٹ سے جواب دینے کی عادت ڈال کر آئی ہو ناں حارث کو بالکل پسند نہیں بحث، بہت کم گو اور صلح پسند ہے میرا بیٹا، تم بھی کوشش کرنا کبھی نہ اس سے بحث کرنا اور نہ ہی اس کی کسی بات پر انکار..... سن رہی ہو میری بات۔“

”جی امی.....“ افق اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔

☆☆☆

ویسے کے فنکشن میں افق دلہن بنی بیٹھی تھی۔ عمارہ نے بیٹی کو دیکھا تو آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

”تم خوش ہو افق؟“ آہستہ سے افق سے پوچھا۔

افق ماں کے سوال پر حیران ہوئی۔ کل سے اب تک اسے یہی پتا نہیں چلا کہ وہ کتنی دیر خوش رہی اور کتنی دیر اداس۔

”ارے عمارہ اکیلی آئی ہو تم، ایسا کو نہیں لائیں ساتھ۔“

”ایسا کے پیپر ہیں آپ اس لیے نہیں لاسکی۔ عمار اور تنزیل آئے ہیں۔“

”اچھا کیا خالہ آپ ایسا کو نہیں لائیں۔ اس معاملے میں واقعی آپ نے سمجھداری کی ورنہ سب لوگ ایسا کو یہاں دیکھ کر ہم سے یہی کہتے بڑی کے بجائے چھوٹی کو بھی تولے سکتے تھے آپ لوگ۔“

”عاصمہ کیا کہہ رہی ہو تم..... بھلا ایسی باتیں کرنے کی ہوتی ہیں۔“

”آئی ایم سوری خالہ، کرنے کی نہیں صرف سننے کی ہوتی ہیں۔ کل شاید آپ نے سنا نہیں۔ کیا کیا کمٹنس ادا ہو رہے تھے آپ کی افق کے متعلق۔ آج تو پھر بھی کل سے کچھ بہتر لگ رہی ہے۔ پورے چار گھنٹے میں تیار کیا ہے پارلر والی نے۔ کہہ رہی تھی اتنی ریف جلد ہو رہی ہے لگتا ہی نہیں کبھی فیشل بھی کرایا ہوگا۔ آج کل کی لڑکیاں تو ہر مہینے فیشل کراتی ہیں۔ اس نے تو اپنی ساری اسکن کا ہی بیڑا غرق کر رکھا تھا۔ ویسے آج بتائیں کل کی نسبت اچھی لگ رہی ہے ناں افق!“

”مجھے تو کل بھی اچھی لگ رہی تھی اور آج بھی اچھی لگ رہی ہے۔ خدا اس کو خوش رکھے، ابادر رکھے۔“

عمارہ بیگم کو برا تو بہت لگا مگر ضبط کر کے بولیں اور افق کے نزدیک ہو کر آہستہ سے بولیں۔

”بڑی تیز ہیں عاصمہ اور ساجدہ، تم ان دونوں کے منہ کبھی نہ لگنا..... بس آپا کا دل جیتنے کی کوشش کرو۔“

آپا کا دل جیت لیا سمجھ لو حارث کو جیت لیا تم نے۔“

”مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کا دل جیتنے کی اور نہ ہی میں یہاں دل جیتنے آئی ہوں۔ میں جس مقصد

کے لیے آئی ہوں، دعا کریں میرا مقصد کامیاب ہو جائے۔ مجھے پڑھنا ہے امی اور خالہ نے یہی وعدہ کیا تھا مجھ

سے۔“ افق ماں کی طرف دیکھ کر روکھے لہجے میں بولی۔

”اب کون پڑھنے دے گا تمہیں، شادی ہو گئی ہے۔ آپا کو پوتے پوتیوں کی پڑ جائے گی۔ ساری زندگی سے اتنی ہی جلد باز رہی ہیں آپا۔“ عمارہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔ اُفق نے حیرانی سے ماں کو دیکھا۔

”اچھا یہ بتاؤ حارث کو کیسی لگیں تم؟“ اُفق کے دماغ میں جیسے آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ عمارہ کی نگاہ خالدہ اور حسنین پر پڑی تو اُن سے ملنے کی غرض سے اُفق کے پاس سے اٹھ گئیں۔

اُفق گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی۔ خالدہ نے نزدیک آ کر اُفق کو سلامی دی۔ ماہ پارہ کی دیورائیاں اور ننندیں بھی آ گئیں اور باری باری سب دلہن کو سلامی دیے لگیں۔

”بھابھی کم سے کم جوڑی تو دیکھ کر بنا لیتیں آپ۔ کہاں ہمارا گہرو جوان حارث اور کہاں یہ۔“ ننند نے کہا تو ماہ پارہ ہلکا سا مسکرائیں۔ اُفق کنفیووز سی بیٹھی تھی شاید اس بات کی منتظر کہ خالدہ اس کا دفاع کریں گی، اس کی پرسنالٹی کو سپورٹ کریں گی لیکن ماہ پارہ دفاع کیوں کرتیں۔ دوسری جانب تو اُن کے بیٹے کے قصیدے گائے جا رہے تھے۔

”بہت بڑا دل ہے آپ کا آپا، آج کے دن تو ساس ننندیں دلہن کی سلامی کے ساتھ تعریفیں بھی وصولی ہیں اور یہاں آپ کو عجیب سی ذلت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔“ ماہ پارہ کی دیورائیاں اور ننندیں چلی گئیں تو خالدہ نے ماہ پارہ سے کہا۔

”تو کیا کرتی..... ترس کھا کر بیا کر لائی ہوں اسے تم نے تو سوچا نہیں، بڑی کوچھوڑ کر چھوٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔ اگر میں بھی منہ پھیر لیتی تو کون بیا بنے آتا ہے۔“ ماہ پارہ چڑ کر بولیں۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا، آپ جیسا بڑا دل کسی کا ہو ہی نہیں سکتا۔“ خالدہ معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔ عمارہ دونوں کو دور سے دیکھ رہی تھیں نزدیک آئیں تو دونوں ادھر ادھر ہو گئیں۔

”کیا باتیں کر رہی تھیں دونوں؟“ عمارہ بیگم نے اُفق سے پوچھا۔ اُفق نے عمارہ بیگم کو دیکھا۔

”مجھے نہیں معلوم کیا باتیں کر رہی تھیں اور آپ کیوں نوٹس لے رہی ہیں لوگوں کی باتوں کا۔“ اُفق جل

کر بولی۔

”اچھا آہستہ بولو، مووی بن رہی ہے تمہاری۔ اپنے ایکسپریشن بھی ٹھیک کرو ورنہ ایسا ٹیڑھا سا چہرہ آئے گا تمہارا اور دیکھو لوگوں کی باتوں کا نوٹس لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ سب جل رہے ہیں کہ حارث جیسے لڑکے سے تم بیا ہی گئی ہو۔“ عمارہ جیسے بیٹی کا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”ہاں..... جلنا بھی چاہیے سب کو۔ سب نے ریجنکٹ کر دیا تھا اور میں نے اپنا لیا۔“ اُفق چڑچڑے

انداز میں بولی۔ عمارہ بیگم نے چونک کر بیٹی کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

”مجھے فنکشن میں ایسا لگ رہا تھا جیسے تمہاری بہن کچھ تبدیل ہو گئی ہے اور نہیں تو میری ویسکوٹ کی ہی

برائی کر ڈالی۔“ تنزیل نے جل کر ماہ پارہ کی نقل اتاری۔

”آئے تنزیل میاں، یہ تم نے کس زمانے کی ویسکوٹ پہن لی۔ مجھے تو لگتا ہے عمارہ کے جہیز میں دی تھی اماں نے یہ تمہیں۔“

”لو بھلا بتاؤ۔ میں چوبیس سال پرانی چیز پہنوں گا۔ وہ بھی اپنی بیٹی کی شادی پر اور داماد صاحب کو دیکھو شادی سے پہلے تو بڑھ بڑھ کر سلام کیا کرتا تھا۔ انکل، انکل کرتے منہ سوکھتا تھا اس کا اور اب صوفے پر بیٹھا رہا، میں خود جا کر ملا ہوں اس سے۔“

عمارہ بیگم نے فکر اور پریشانی سے شوہر کی طرف دیکھا۔

”لگتا ہے خوش تم بھی نہیں آئی ہو وہاں سے۔“

”پتا نہیں مجھے ایسا کیوں لگا افق ڈسٹرب سی ہے، خوش نہیں ہے، اوپر سے آپا کی بیٹیوں کا رویہ..... اللہ کرے سنبھال لے ان سارے حالات کو ہماری بیٹی۔“ عمارہ پر سوچ لہجے میں بولیں۔

”امی آپ ایسے ہی پریشان ہو رہی ہیں۔ وقت لگتا ہے ایڈجسٹ ہونے میں..... اور ویسے بھی افق کہاں کسی سے ملتی جلتی تھی، کب کہیں آتی جاتی تھی۔ اتنی گید رنگ میں ڈسٹرب تو ہوگی ہی وہ۔“ عمارہ بیگم نے بیٹے کی طرف دیکھا اور گہری سانس کھینچ کر رہ گئیں۔

”دو چار روز کے بعد اسے بلا لینا یہاں..... تسلی ہو جائے گی تمہاری۔“ تنزیل نے عمارہ کی پریشانی کو سمجھتے ہوئے مشورہ دیا۔ عمارہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

☆☆☆

”تم ابھی تک سوئی نہیں۔“ حارث کمرے میں آیا تو یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ افق ابھی تک جاگ رہی تھی۔

”نہیں، نیند نہیں آرہی تھی۔ سوچا آپ سے باتیں کروں گی۔“ افق ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

”دیکھو بھی مجھے تو سخت نیند آرہی ہے۔ صبح مجھے آفس بھی جانا ہوتا ہے تو آئی ایم سوری، میں تو نہیں جاگ سکتا۔ پلیز لائٹ اور ٹی وی آف کر دو۔“ حارث بستر پر لیٹتے ہوئے بولا تو افق چڑ گئی۔

”آدھی رات تک تو آپ باہر امی کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ میرے پاس آتے ہیں تو آپ کو

نیند آ جاتی ہے۔“

”امی ہیں وہ میری..... کس طرح بات کر رہی ہو تم ان کے متعلق۔“ حارث نے چونک کر افق کو دیکھا

اور بولا۔

”میں امی کے متعلق کوئی بات نہیں کر رہی، بات آپ کی اور میری ہے۔ زندگی آپ کی اور میری ہے،

آپ کے پاس دو منٹ نہیں مجھ سے بات کرنے کے لیے۔“

”کون سی باتیں کرنی ہیں تمہیں مجھ سے۔ یہی کہ جب ایڈمیشن اوپن ہوں گے تو میں تمہیں یونیورسٹی

میں وہ غلہ دلوادوں۔ کیا میں نے تم سے شادی اس لیے کی تھی کہ تمہیں سختی اور بستہ دے کر اسکول، کالج بھیجا کروں

گا۔ امی گھر میں اکیلی ہوتی ہیں۔ تمہیں ان کا ذرا بھی خیال نہیں، وہ سارا کام خود کرتی ہیں۔ تم سے اتنا نہیں ہوتا

کہ ناشتا ہی بنا دو، اُن کا نہیں تو میرا ہی بنا دو۔ دن کے بارہ ایک بجے تم سو کر اٹھتی ہو۔ دوپہل نہیں تمہارے پاس امی کے لیے، امی کے پاس بیٹھنے کے لیے۔“ حارث چڑ کر بولا۔

”میں سارا دن امی کے پاس ہی تو ہوتی ہوں حارث، کون سا کوئی اتنا بڑا گھر ہے جو میں کہیں اور جا کر بیٹھ جاتی ہوں۔“

”جانتا ہوں، سوائے بحث کرنے کے تمہیں کچھ نہیں آتا۔ کتنے دن ہو گئے تمہیں یہاں آئے ہوئے۔ کتنا کچن سنبھالا تم نے؟“ حارث غصے سے بولا۔

”مجھے کھانا پکانا نہیں آتا حارث، یہ بات خالہ اچھی طرح جانتی تھیں۔“

”تو کیا تم ساری عمر اسی طرح رہو گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا تمہیں کہ وہ تمہیں سکھا دیں گی۔ مگر وہ کیا یہاں کمرے میں آ کر تمہیں سکھائیں؟“

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ خالہ آپ سے یہ سب باتیں کہتی ہیں مجھے کیوں نہیں کہتیں۔“ اُفق چڑ کر بولی۔

”اس لیے کہ تم کرنا نہیں چاہتیں..... بس اس کمرے کو، جہیز کی چند چیزوں کو اپنی ملکیت سمجھتی ہو تم، اس کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں پتا۔ لائٹ بند کرو، میں سونا چاہتا ہوں۔“ حارث کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ اُفق غصے سے پریشانی سے حارث کو دیکھتی رہی پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔ حارث نے غصے سے اُفق کو کمرے سے نکلتا دیکھا اور تکیہ زمین پر مار کر کروٹ بدل لی جیسے حارث کو اُفق کا یوں اس کے پاس سے چلے جانا بہت برا لگا ہو۔

☆☆☆

”میں آفس جا رہا ہوں امی۔“

”حارث ناشتا تو کرتے جاؤ۔“ اُفق کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ حارث کو دیکھا اور دل ہی دل میں کڑھتے ہوئے غصے سے چائے کا چوٹھا بند کر دیا۔

”ابھی تک تم سے چائے نہیں بنی..... حارث بنا ناشتے کے ہی چلا گیا ہے۔“ ماہ پارہ بیگم کچن میں آ کر بولیں۔

”دیکھ لیا ہے میں نے!“ اُفق روٹھے سے لہجے میں بولی۔

”میں نے تم سے کہا تھا میرے بیٹے کو کبھی مایوس نہ کرنا۔ تم رات کو اسے اکیلا چھوڑ کر باہر ڈرائنگ روم میں آ کر سو گئیں، یہ ویلو ہے تمہاری نظر میں اس کی۔“ ماہ پارہ بیگم غصے سے بولیں۔

”امی آپ کو نہیں معلوم وہ مجھ سے جھگڑا کر رہے تھے۔ میں نے سوچا اُن کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تب چلی جاؤں گی اور پھر میری بیہوش آنکھ لگ گئی۔“

”شاید تم نے یہ سوچا ہو کہ وہ تمہیں منانے آئے گا، بڑی انا ہے اس میں، وہ کیونکر آتا۔“

”انا اس میں ہے تو مجھ میں بھی ہے امی، کیا ظلم ہو گیا تھا جو میں نے یہ بات کر لی کہ ایڈمیشن اسٹارٹ ہوتے ہی میرا داخلہ کرا دیجیے گا۔“

۱۰۔ ”بہنو! تم کوئی بڑی بات نہیں کہتی ہو، لیکن تم شادی نہیں کر رہی“ ماں کا یہ کہنا سنا، چوکی پر اسے ہاتھ پر مار کر۔

پر ماری۔
 - لایا آنکھ تالہ - "جیل کے تختے پر پاؤں کے نیچے لگا دیا۔
 اے لہو! اس میں گم کیا ہے آپ اچھی طرح پہنچاؤں گی یہاں شادی کے وقت پہنچے ہیں اس لیے ہوئی گئی، مجھے لگا تھا حارث ویل
 ایجو کیڈز مرد ہے مجھے سمجھے گا اور آپ نے بھی وعدہ کیا تھا مجھ سے۔"
 - لایا آنکھ تالہ -

”مہ پارہ غصے سے بولیں تو اُفتی غلام شہباز ہو گئیں۔ اے اللہ! یہ بات، اللہ! آں میناں لیک لہ لہ لہ“

لیو، رگ، گپ، لہس یہ سب کچھ ہواں بیٹھتے لیکن جو چھیڑی ☆☆☆۔ راہوں کی طرح اسی رنگ پر تھی تو“
 آفتِ کمرے میں آنی تو حادث لینا ہوا تھا۔ آفت نے دل ہی دل میں سوچا کہ

[illegible]

سب سے پہلی دفعہ اپنے دل کی بات کہہ کر وہ بڑھاپا بھی تھا اس نے سب سے پہلے چھٹنے لگے اور پھر کہتے ہیں شوہر عورت کا سب سے پہلے گنہگار ہے۔

ہوں گی میں کیا ہوں حال میں تھے لیے

دیں۔“ اُفق حارث کے نزدیک آکر بولی۔ حارث نے ہاتھ اُٹھائی سے اُفق کی طرف دیکھا۔

”وقت لگتا ہے ایک دوسرے کو سمجھنے میں۔ آپ کو مجھے اور مجھ سے آپ کو سمجھنے میں وقت غنیمت ملے گا۔ بس میں

حادث کے نزدیک بیٹھ کر بولی۔

ساتھ رستے رستے وہ ایک دوسرے کو سمجھ رہی تھیں، جانتی تھیں کہ یہ سب کچھ ہمارے لیے ہے۔

دوسرے کو سمجھیں گے پھر تعلق بنائیں گے۔“ حارث بن اسد طبرستان میں ہوا۔ ”اے ابن ربیعہ! یہ سچ لیا ہے۔“

”اے اہل بیت! تم لوگوں میں تو چھٹی گئی ہیں لیکن رب کی طرف سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ عورت ہونی ہی اسی لیے ہے کہ وہ ہر دم بے فکر گذرانی کرے۔“

”ابو عمرؓ سے یہ عہدیت کا کوئی دل نہیں ہوتا، کوئی اجتماعات نہیں ہو سکتا، اس کے لئے وہ مرد کی

پندیرانی کے لیے ہی ہے۔“ اُنق چڑ کر بولی۔
 ”کینا کچا جتنی ہو تم؟“ عاتق غصہ سے بولے۔ آئندہ اس سے کچھ نہ کہے گا۔

ان شے مجھے آگے بڑھنا ہے جسے حاضری میں نہیں جانتی ہیں کبھی شخص جس کو ایوان کے میں رابطہ ہو سکا ہے ہیں نا

اپ..... میں فی الحال بچے نہیں چاہی، اپنا خواب پورا کرنا چاہی ہوں۔ ایم بی بی نے ہنسنے لگا اور کہا کہ میں جانتی ہوں کہ تم بڑے بڑے

مجھے بدلنا ہوگا خود کو..... چاہے اپنے مفاد کے لیے ہی سہی، مجھے بدلنا پڑے گا۔“

☆☆☆

”افق نے ماہ پارہ بیگم کے کپڑے استری کیے پھر لے جا کر ماہ پارہ بیگم کو دیے۔
 ”میں نے تم سے کب کہا تھا مجھے کپڑے پر لیس کر کے دو۔“ ماہ پارہ نے ناراضی سے افق کو دیکھ کر کہا۔
 ”آپ نہانے جا رہی تھیں امی، میں نے سوچا آپ کے کپڑے پر لیس کر دوں۔“
 ”بہت شکریہ تمہارا..... یہ خدمتیں تم اپنے میاں کی کرو۔ مجھے اپنے کام کرنے کی خود عادت ہے۔“ ماہ پارہ خشک سے لہجے میں بولیں پھر حارث کو آواز دی۔

”حارث، حارث بیٹا..... کھانا کھاؤ آ کر..... میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ تم صبح بھی بنا ناشتے کے چلے گئے تھے۔“ حارث کمرے سے باہر آیا اور دونوں ماں بیٹا کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ افق کو محسوس ہوا جیسے وہ دونوں ماں بیٹا کے بیچ کوئی فالتوی چیز ہے، وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔
 ”بہت بڑی بھول ہو گئی مجھ سے، مجھے معاف کر دو حارث بیٹا۔“ کھانا کھاتے ہوئے ماہ پارہ نے حارث کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے غمزہ سا چہرہ بنا کر کہا۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں امی، آپ میرے لیے کبھی برا سوچ ہی نہیں سکتیں۔ آپ افق کو سمجھائیں بیکار کی ضدیں چھوڑ کر اپنا گھر صحیح معنوں میں بسانے کی کوشش کرے۔ اگر وہ مجھے خوش رکھتی ہے آپ کو خوش رکھتی ہے تو مجھے بھلا کیوں شکایت ہوگی اس سے۔“ حارث کچھ شرمندہ ہوتے ہوئے بولا۔

”لیکن اسے تو سب سے زیادہ اپنی خوشی کا احساس ہے۔“ ماہ پارہ بیگم چڑ کر بولیں۔

”دیکھیں امی وہ جو یہ ضدیں کر رہی ہے کہ وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے اس کے دماغ سے اس بات کو بالکل مٹا دیں، میں اسے ہر گز بھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن کی اجازت نہیں دوں گا۔“

”ہاں تو میں کب ایسا چاہتی ہوں اور ویسے بھی شادی کے بعد لڑکیوں کا کیا پڑھنا۔“

”شادی سے پہلے پڑھ کر لڑکیاں کون سا تیر مار لیتی ہیں۔“ حارث طنزیہ انداز میں بولا۔ افق نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے حارث کے الفاظ سنے۔ ماہ پارہ نے افق کو دیکھا تو حارث کو اشارتا چپ کر دیا۔
 افق کے چہرے پر الجھن اور پریشانی سی تھی۔

حارث کھانا کھا کر کمرے میں آیا تو افق نے حارث کے کپڑے نکال کر دیے۔

”عورت کو مرد کے دل میں جگہ بنانے کے لیے یا تو ساری عمر لگ جاتی ہے یا وہ ایک رات میں ہی اس کے دل پر قبضہ کر لیتی ہے۔ تم نے پہلی رات سے ہی مجھے بے حد مایوس کیا ہے۔ نہ صرف مجھے بلکہ امی کو بھی۔ معمولی سی شکل صورت کی لڑکی ہو تم اور خمرے ایسے دکھائی ہو جیسے کہیں کی مہارانی ہو۔“ حارث نے افق کے ہاتھ سے کپڑے لیتے ہوئے کہا اور واداش روم میں چلا گیا۔

”میں افق تنزیل جس نے کسی کی بات برداشت نہیں کی۔ آج یہ وقت آ گیا، میں ان لوگوں کے طعنے

سہمہ رہی ہوں لیکن خیر زندگی give and take کا ہی نام ہے۔ میں ان لوگوں کے لیے کچھ کروں گی تو یہ لوگ میرے لیے کچھ کریں گے نا۔“ اُنق جیسے خود پر ہنسی۔

اُنق کی سوچ کیا بدلی حارث کی زندگی کے حالات ہی بدل گئے۔ ایک ہفتہ بڑی خوش اسلوبی سے گزرا۔ گو اُنق گھر کے کام کاج میں طاق نہیں تھی۔ لیکن ماہ پارہ بیگم کا ہاتھ بناتی رہی۔ ماہ پارہ کو بھی آرام کا موقع مل گیا۔ اگلے ہفتے ہی عمارہ اور عمار، اُنق کو لینے کے لیے آگئے۔ اُنق پہلے کی نسبت اور بھی کمزور لگ رہی تھی۔ عمارہ نے اُنق کو دیکھا تو مایوسی ہوئی۔ نہ ہاتھوں میں چوڑیاں نہ کانوں میں آویزے، اُنق سر جھاڑ منہ پہاڑ گھر کے کاموں میں مصروف تھی۔ ماہ پارہ بستر پر بیٹھی رہتیں اور اُنق کو کام کے بارے میں بتاتی رہتیں۔ عمارہ بیگم کے آنے پر ماہ پارہ نے سب سے پہلے یہی شوشہ چھوڑا۔

”بھئی عمارہ بہت ہی سست ہے اُنق، ایک کام کرنے لگتی ہے تو دن اسی میں گزار دیتی ہے۔ اب ماسی نہیں آئی تھی میرے دو جوڑے تھے اور دو شرٹیں اور دو سوٹ حارث کے تھے۔ میں نے اُنق کو مشین لگانے کا کہہ دیا۔ پورا دن لگا دیا اس نے اسی ذرا سے کام میں۔ نہ ہانڈی نہ روٹی۔“

”آپا کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، میں باہر سے آئی ہوں، باہر صحن میں تو بستروں کی چادریں، پردے، وغیرہ بھی سوکھ رہے ہیں۔“ عمارہ بیگم ہنستے ہوئے بولیں۔

”لو اپنے کمرے کے دھوئے ہوں گے اس نے۔ میری چادریں تو پچھلے ہفتے ہی ملازمہ دھو کر گئی ہے۔“

”ہاں، ہاں تو میں کیا کہہ رہی ہوں۔ بس یہی کہ کام تو کام ہی ہوتا ہے چاہے اپنے کمرے کا ہو یا گھر کا۔ مجھے تو یہ خوشی ہوئی ہے کہ اُنق سب کچھ کرنے لگی ہے۔ ورنہ آپ نے دیکھا ہی تھا گھر میں کرتی ہی کیا تھی۔ یہاں تک کہ اپنے تن کے کپڑے بھی نہیں دھوتی تھی اور یہاں پورا آئین بھر رکھا ہے کپڑوں سے۔“ ماہ پارہ بیگم کو عمارہ کا انداز بہت برا لگا۔

”کام کرنے کی عادت نہیں تھی اسے تو تم ایسا کرتیں ملازمہ اس کے ساتھ بھیج دیتیں تاکہ یہ دن رات آرام کرتی رہتی اور ملازمہ کام۔“ ماہ پارہ چمک کر بولیں۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ آپ..... میرے کہنے کا مقصد یہ تھوڑی تھا۔“

”تمہارے کہنے کا مقصد کچھ بھی تھا۔ عمارہ دیکھو، بیٹیوں کی ماؤں کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ مجھے پتا ہے میں کیسے تمہاری بیٹی کو راہ راست پر لانے کی کوشش کر رہی ہوں۔“

”راہ راست..... کیا مطلب آپا، خدا نخواستہ میری بیٹی غلط راستے پر تو نہیں تھی۔“

”تو کون سے صحیح راستے پر تھی تمہاری بیٹی، ایک وقت کا سجدہ نہیں کرتے دیکھا میں نے اسے آج تک۔“

”نہ جانے نماز بھی صحیح طرح سے آتی ہے اسے یا نہیں۔“

”بے شک میری بیٹی شرعی صوم صلوٰۃ کی پابند نہیں ہے آپا لیکن ایسی بھی نہیں کہ نماز ہی نہیں آتی ہو

اسے۔ الحمد للہ قرآن پاک بھی بہت چھوٹی عمر میں پڑھ لیا تھا اس نے۔“

اگلے روز حارث کا خود ہی فون آ گیا لیکن اُفق نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ حارث کو یہ بات بہت چھبی۔ ماں سے بات کی تو انہوں نے حارث کو منع کر دیا کہ اب وہ فون نہ کرے کیونکہ اُفق نے اُن کے ساتھ بہت بدتمیزی کی ہے۔ خوب زبان درازی کی ہے۔ حارث کو ماں کی عزت زیادہ عزیز تھی، اسے یہ بات اور بری لگی۔ اُفق کی بے چینی اور پریشانی دیکھتے ہوئے عمارہ بیگم نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی کہ وہ کس پریشانی میں ہے۔ اُفق نے عمارہ کو سارے حالات کے بارے میں بتا دیا۔ عمارہ بیگم نے اُفق کو سمجھایا کہ وہ حارث کو فون کرے اس سے بات چیت کرے یوں سلسلہ منقطع کر کے نہ بیٹھے۔ اُفق کو یہ بات سمجھ آ گئی کہ اگر وہ حارث سے رابطہ نہیں رکھے گی تو اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی۔ اُفق نے حارث کو فون کیا اور عمارہ بیگم کے سمجھانے پر حارث سے شکوہ کیا۔

”بغیر بتائے اور بغیر مجھ سے ملے دیار غیر چلے گئے۔ کیا آپ کے دل میں اپنے جیون ساتھی کی یہی قدر ہے۔“ حارث پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا۔ اُفق کی دلجوئی کے بجائے اسے ہی برا بھلا کہا اور اُفق کو ہی الزام دینے لگا۔ ”تم نے کون سا بیویوں والا حق ادا کیا ہے کہ میں تمہیں اس قابل سمجھتا۔“ اُفق، حارث کی باتوں سے بددل ہو گئی اس لیے اپنے مقصد کے بارے میں بات نہیں کی۔ عمارہ بیگم نے اُفق کو سمجھایا کہ فی الحال وہ صبر کرے اور حارث کے آنے کا انتظار کرے یوں جلد بازی سے کام نہ لے۔ ایک مہینہ اُفق کا جلتے کڑھتے گزر گیا۔ ایک مہینے بعد حارث آیا تو ماہ پارہ بیگم نے عمارہ کو فون کیا اور روکھے لہجے میں حارث کے آنے کی اطلاع دی۔

”میری تو طبیعت ٹھیک نہیں جو آسکوں تم اُفق کو عمار کے ہمراہ روانہ کر دو۔“

یہ بات اُفق کو ہی کیا سارے گھر والوں کو بہت بری لگی اس کے باوجود عمار، اُفق کو اس کے گھر چھوڑ آیا۔ عمار، حارث سے ملنے کے لیے ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا لیکن حارث، عمار سے ملنے نہیں آیا۔ ماہ پارہ بیگم نے جھوٹا جواز گھڑا کہ حارث گھر پر نہیں ہے۔ عمار واپس چلا گیا۔

اُفق غم و غصے سے بھری بیٹھی تھی۔ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی اور وعدہ خلافی پر بھی احتجاج کرنا چاہتی تھی لیکن یہاں تو ماجرا ہی کچھ اور تھا۔ ماہ پارہ بیگم کا منہ پھولا ہوا تھا اور حارث الگ بھرا بیٹھا تھا۔

”اس سے پوچھو کہ اسے فون کر کے میں نے کہا تھا کہ نہیں اپنے کپڑے وغیرہ یہاں سے لے جائے یا منگوالے۔ اس کے باوجود یہ انہی دو چیتھڑوں میں وہاں بیٹھی رہی۔ ہر آئے گئے آنے کر مجھے یہی بتایا کہ اس کا پہناؤ تو وہی ہے جو شادی سے پہلے کپڑے پہنا کرتی تھی۔ کیا میں نے اس کا سامان تجوری میں بند کر دیا تھا جو اس نے ہماری عزت کا یوں تماشہ لگایا وہاں بیٹھ کر۔“ ماہ پارہ نے حارث سے کہا۔

”کون لوگ ہیں آپ کو یہ بتانے والے؟“ اُفق غصے سے بولی۔

”تمہارا خاندان..... ہمارا خاندان جو بھی آتا تھا یہی بتاتا تھا کہ اس نے کنوارے پن والے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ ہمارے یہاں تو پچیاں رخصت ہوئیں تو اُن کے کپڑے ماسیوں کو دے دیے۔ تم نے یا تمہاری

ماں نے وہ کپڑے کیوں رکھے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ناں کہ بعد میں ہمارا تماشا لگواؤ۔ یہ کتنی بڑی بد شکونی کی بات تھی یہ بھی نہیں سوچا تم ماں بیٹی نے۔“ ماہ پارہ بولیں۔

”بات سنیں خالہ! مجھے ان فضول کی باتوں میں مت الجھائیں مجھے پروا نہیں دنیا والوں کی۔ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں کون لوگ ہیں جو آپ کو بھڑکاتے..... رہتے ہیں۔ مجھے ان سب چیزوں کی کوئی پروا نہیں۔ آپ وعدہ کر کے لائی تھیں مجھے کہ میری ایجوکیشن شروع کروائیں گی۔ کہاں گیا وہ وعدہ بتائیں مجھے، ایڈمیشن اوپن ہو کر بند ہو گئے اور آپ کو ذرا سی پروا نہیں ہے، احساس ہے آپ کو کتنی بڑی وعدہ خلافی کی ہے آپ نے میرے ساتھ۔“

”یہ تم کس لہجے میں امی سے بات کر رہی ہو۔ کبھی میں نے اس طرح بات نہیں کی امی سے۔“ حارث، اُفتق کے لہجے کو دیکھ کر غصے سے بولا۔

”تو کس لہجے میں بات کروں میں۔ وعدہ خلافی کی ہے انہوں نے میرے ساتھ، جھوٹ بول کر بیاہ کر لائی ہیں یہ مجھے۔“

”بکواس بند کرو اپنی۔“ حارث نے اُفتق کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔ وہ چلا کر گر گئی۔ حارث کا یہ عمل اُفتق کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ گنگ رہ گئی۔ وہ حیرانی سے حارث کو دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں جا کر کمر بند کر لیا۔

”سارا دن ہو گیا ہے تمہارا یہ ڈراما دیکھتے ہوئے مجھے۔ یا تو تم سیدھی طرح سے اپنا گھر بساؤ یا اپنا بوریا بستر سمیٹو اور یہاں سے نکلو۔ کیوں زندگی اجیرن کر دی ہے تم نے میرے بیٹے کی۔“ پورا دن گزرنے کے بعد ماہ پارہ بیگم نے کمرے میں آ کر کہا۔

”زندگی تو میری خراب کی ہے آپ نے۔ دھوکا دیا ہے مجھے۔ جھوٹے اور دغا باز لوگ ہیں آپ۔“ اُفتق نے غصے سے کہا۔

”کون سی زندگی کی بات کر رہی ہو تم۔ بڑے عیش و آرام میں رہ رہی تھیں ناں۔ گھر والوں نے پرانے کاٹھ کباڑ کی طرح تمہیں اسٹور میں پھینکا ہوا تھا۔ میں نے تمہیں سجا سنوار کر ایک نایاب موتی تمہارے گلے میں ڈالا اور تم نے اس موتی کی بھی قدر نہیں کی۔“

”آپ کے لیے ہوگا وہ نایاب موتی، میرے لیے تو ایک پتھر ہے احساس سے لا تعلق۔ غرض پوری کرنے والا پتھر۔“

”لڑکی زبان بند کرو اپنی ورنہ میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔“

”ہاں، ہاں آپ بھی ماریں مجھے..... بیٹے کی حمایت میں ماں اور ماں کی حمایت میں بیٹا مارے پیٹے مجھے۔“ اُفتق غصے سے چلائی تو حارث کمرے میں آ گیا۔

”امی اس کے منہ لگنا فضول ہے۔ اس کے گھر والوں کو بلائیں اور اسے چلتا کریں یہاں سے۔ اس کا

کو میں تو ایک پل یہاں نہیں رکوں گی جاری ہوں میں۔“ خالدہ غصے سے کہہ کر چلی گئیں۔ حسنین بھی پیچھے پیچھے چلے گئے۔

”وہ تمہارا معاملہ سلجھانے آئے تھے تاکہ بگاڑنے..... تم اپنی بات کرتیں حمایت حاصل کرتیں ان کی، یہ کیا کیا تم نے انہیں ہی برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ارے کم عقل لڑکی تمہیں احساس ہے تمہارے دو بہن بھائی بیانے ہیں میں نے اس گھر میں۔“ عمارہ بیگم اُفق پر غصے سے برس پڑیں۔

”جانتی ہوں میں بہت اچھی طرح سے، جانتی ہوں آپ کو اس وقت میرا نہیں انہی کا احساس ہو سکتا ہے۔ میں کس دور رہے پر کھڑی ہوں۔ کن لوگوں کی وجہ سے کھڑی ہوں یہ احساس نہیں ہوگا آپ کو، آپ کو تو انہی کی فکر ہوگی۔“ عمارہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

”ارے میں کیوں لینے جاؤں اسے ماں لے گئی تھی ماں ہی چھوڑ کر جائے۔ بیٹی کو بیانے والوں کے یہ پھن نہیں ہوتے۔ جس دن بیٹی کو لے کر گئی ہے نا عمارہ اسی دن مجھ سے فون کر کے پوچھ رہی ہے کہ حادثے نے کیوں مارا اس کی بیٹی کو۔ لو بھلا بتاؤ میں جواب دوں اس بات کا، حادثے سے ہی پوچھ لیتیں وہ۔ اس قدر زبان چلاتی ہے، بتاؤ کون سا مرد برداشت کر سکتا ہے یہ سب کچھ۔“

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ آپ..... میں تو خود اس لڑکی کے تیور دیکھ کر اپنے اوسان بھول گئی۔ صاف کہہ دیا ہے میں نے تو حسنین کو ہرگز رشتہ نہیں کروں گی میں عمارہ کے گھر میں۔“ ماہ پارہ دل ہی دل میں اپنی جیت پر اپنی کامیابی پر خوش تھیں۔

☆☆☆

”عمار وقت ضائع نہ کرو فیملی کے حالات بگڑتے جا رہے ہیں۔ اس سے قبل کہ اُفق کے حالات ہماری زندگی پر اور زیادہ اثر انداز ہوں تمہیں شادی کے لیے گھر والوں کو رضامند کر لینا چاہیے۔“

”کیسے کروں رضامند..... ممانی جان نے ایسا کو لینے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ امی اور ابو کو یہ بات بہت بری لگ رہی ہے۔“

”تو تم اس انتظار میں ہو کہ امی، ابو مجھے بھی دینے سے انکار کر دیں۔“ عینا غصے سے بولی عمار بے بس تھا۔

”تم تھوڑا انتظار کرو عینا..... وقت بہتر ہو جائے گا۔“

”بالکل بھی بہتر نہیں ہوگا..... بھلا یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی عمارہ پچھو کہ وہ حادثے کو کہیں اور بیاہ لیں۔ اُفق گھر میں بیٹھی ہے بیٹھی رہے گی۔“

”تو کیا کریں امی..... اُفق کو جیسے ضدی ہو گئی ہے۔ مر جائے گی اس گھر میں دوبارہ نہیں جائے گی۔ تمہیں پتا ہے دن رات کتنی ٹینشن چل رہی ہے ہمارے گھر میں۔ دن رات یہی موضوع ہے۔ سب اُفق کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے ہیں لیکن اُفق کی سمجھ میں کب کسی کی بات آتی ہے۔ سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ امی، اُفق

”کس ایک طرح تو تمہیں چلنے کا حارث ملے گا۔ لیکن خاندان والے باتیں بنائیں گے۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔
 ”ای مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن خاندان والے باتیں بنائیں گے۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔

کی حمایت میں آپ کے ہنگے بھی اٹھ کر آ جائیں گے۔ کوئی بھی اُنکی بھانجری کے ہنگے نہیں اٹھائے گا۔ مجھے
 راکشیا کو فون پر اُنکی حمایت میں اٹھنے کا حارث ملے گا۔ لیکن وہ مجھے اُنکی حمایت میں اٹھنے کا حارث ملے گا۔
 تیار ہوں۔“ حارث، ماہ پارہ کے آنسو صاف کر کے بولے۔

”اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تو؟“ علی حسہ نے کہا۔
 ”تو اسے یہاں آ کر بیٹھ جائے گا۔ گھر بیٹھ جائے گا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔

”تو پھر ایسا کرو اور ابھی فون کر لو اسے۔“ جو بھی فیصلہ ہو گا باجی ہی ہو جائے گا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔
 اُنکی فون پر نمبر دیکھا اور نفرت سے فون پرے کر دیا۔

”اُنکی فون پر نمبر نہیں کر سکتا۔“ حارث نے کہا۔
 ”نہیں ہے، وہ ایسا ہی چاہتی ہے تو میں ایسا ہی کروں گی۔ میں تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔“

”ماہ پارہ بولیں، عاصم اور ساجد وہاں کے فیصلے پر خوش ہیں۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔
 ”میں آپ کو ایسی جگہ لے جاؤں گی حارث کے لیے کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔“ عاصمہ جذباتی بن گئی۔

”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔
 ”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔

”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔
 ”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔

”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔
 ”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔

”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔
 ”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔

”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔
 ”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔

”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔
 ”اُنکی بھانجری نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث نے کہا۔“ اُنکی بھانجری نے کہا۔

عمار، حسنین کی بیٹی سے ہی بیاہا جائے گا۔ کیا ہوا ہماری لیبھا وہاں نہیں جاسکی اور پھر ابھی لیبھا کی عمر بھی کیا ہے۔ بہت اچھے اچھے رشتے آجائیں گے اس کے۔ تم اس رشتے کو ہاتھ سے مت نکلنے دو اور لیبھا کی فکر بھی مت کرو۔ خالدہ اور حسنین سے اپنی بیٹی کا بدلہ لینا چاہتی ہوتاں تم..... بے فکر رہو، وہ شادی کے بعد بہ آسانی لے سکتی ہو۔“ عمارہ بیگم کو تنزیل کی بات سمجھ میں آگئی۔

”تنزیل کا لالچ اپنی جگہ لیکن میں یہ بات نظر انداز بھی نہیں کر سکتی کہ عمار میرے گھر کا واحد کفیل ہے۔ میں اس کی محبت چھیننے کی کوشش کروں گی تو وہ بد دل اور بدظن ہو جائے گا مجھ سے۔ انگاروں پر چل کر ہی مجھے عینا کو بیاہ کر لانا ہوگا۔“ عمارہ بیگم نے دل میں سوچا۔

☆☆☆

”ہم لوگ تو شادی کی تاریخ لینے آئے ہیں بھائی جان.....“ حسنین اور خالدہ جیسے پشیمان اور شرمندہ تھے۔

”دیکھیں حسنین بھائی جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ ہمیں کوئی دکھ نہیں اس بات کا کہ ہماری بچی اس گھر میں نہیں آ رہی۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔ کیا معلوم یہ فیصلہ ہی ہم لوگوں کے لیے زیادہ بہتر ہو تو بجائے اس فیصلے پر پچھتانے کے اس فیصلے کو پار لگائیں۔“ تنزیل نے ان کی حالت سمجھتے ہوئے کہا۔

”بعض اوقات بہت زیادہ جلد بازی ہمیں بہت بڑی سزا دیتی ہے۔ لیبھا اور فائز دونوں ہی پڑھ رہے ہیں۔ بڑا وقت ہے دونوں کی شادی میں لیکن بس خالدہ کو جلدی تھی رشتہ دینے کی..... اور پھر واپس کر دینے کی بھی اسی کو جلدی تھی۔“ حسنین نے بڑے ٹھوس انداز میں سنبھل کر کہا۔

”اب سارا معاملہ آپ بھی پر ڈال دیں۔“ خالدہ نے برا سامنہ بنایا۔ تنزیل ہنسنے لگے جبکہ عمارہ کو لیبھا کا ذکر بھی یہاں بہت برا لگ رہا تھا۔

”بجائے اس کے کہ ہم اس بات پر جھگڑا کریں کیوں نہ شادی کے بارے میں بات چیت کر لی جائے۔“ تنزیل بولے۔

”کیوں نہیں تنزیل بھائی، ہم اپنے گھر میں مشورہ کر لیں پھر آپ کو بتا دیتے ہیں۔“

”افق ابھی ادھر ہی ہے یا کوئی لینے آیا اسے۔“ خالدہ کو یکدم افق کا خیال آیا تو پوچھا۔ عمارہ بیگم کو خالدہ کا سوال گراں گزرا اور وہ چاہ کر بھی اپنی کڑواہٹ دبا نہیں پائیں۔

”بھابھی آپ افق کی فکر نہ کریں، اس کی زندگی تو اسی طرح گزری ہے اور گزر جائے گی۔“

”میرا مطلب یہ تو نہیں تھا عمارہ..... ماہ پارہ آپا کو سوچنا چاہیے گھر کی بچی ہے۔ ایسی بدسلوکی کرتی وہ اچھی نہیں لگ رہی۔“

”بھئی میں نے تو بہت سمجھا لیا آپا کو لیکن وہ کہتی ہیں میں اپنے بیٹے کی زندگی برباد نہیں کر سکتی۔“ حسنین نے دونوں کے درمیان مداخلت کی۔

”سنا ہے لڑکی دیکھتی پھر رہی ہیں آپا حارث کے لیے۔“ خالدہ بولیں۔

”تذلیل ہمیں چلنا چاہیے وقت کافی ہو گیا ہے اور ہاں بھائی جان، ماہ پارہ آپا سے کہہ دیجیے گا وہ اپنے بیٹے کا بیاہ کر دیں۔ جہاں بیاہنا چاہتی ہیں۔ میں بھی تو دیکھوں کون بیٹی دے گا حارث کو۔ دنیا اندھی نہیں ہے، سگی بھانجی کو یوں گھر میں بٹھا کر وہ اپنے بیٹے کو بیاہ سکتی ہیں تو بیاہ کر دکھائیں۔“ عمارہ کو خالدہ اور حسنین کا اس طرح اس موضوع کو کریدنا سخت ناگوار لگ رہا تھا بالآخر وہ بول ہی اٹھیں۔

”مگر ماہ پارہ آپا اور حارث لینے کے لیے آئے تو تھے افق کو۔“

”لینے کے لیے آئے تھے وہ لوگ یا میری بیٹی کا تماشا لگانے آئے تھے۔ صرف یہی تو خواہش کی تھی ناں اس نے کہ وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے۔ اس بات کو یہ رنگ دے دیا انہوں نے کہ افق بچے پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ حارث سے ازدواجی تعلق بنانا نہیں چاہتی۔ حالانکہ آپا ہی یہ سنہرے سنے دکھا کر گئی تھیں میری بیٹی کو۔ اور وہاں لے جا کر اتنا ذلیل اور رسوا کیا اسے..... اس کی خواہش پر تماشا بنا کر رکھ دیا۔ کوئی بات نہیں..... بیٹیاں سب کی ہیں۔ آپا کی بھی دو بیٹیاں ہیں، جو کچھ آپا نے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہے آپا کے اپنے ہی آگے آئے گا۔“ عمارہ دُکھ اور افسوس سے بولیں۔

”سنجھا لو خود کو عمارہ یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔“ تذلیل نے بیوی کو سمجھایا اور وہ دونوں واپس اپنے گھر چلے گئے۔ دونوں کے جانے کے بعد بھی ماحول پر تناؤ چھایا ہوا تھا تبھی خالدہ نے حسنین سے کہا۔

”عمارہ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ بیٹی کی حمایت کر رہی ہے۔ اس بیٹی کی جس نے کبھی وقت پر اٹھ کر ماں کو چائے کا ایک کپ تک بنا کر نہیں دیا۔ آج عمارہ اس کے لیے آنسو بہا رہی ہے۔ ادھرہ..... میں تو عمار سے صاف صاف کہہ دوں گی۔ میاں اپنی رہائش ذرا اپنی ماں اور بہنوں سے الگ ہی رہنا۔ اوپر کا پورشن تمہارا فارغ ہی پڑا ہے۔ وہیں سیٹ کر لینا جہیز کا سامان وغیرہ۔ عینا ان قنوطی عورتوں کے بیچ میں نہیں رہ سکے گی۔“

عینا ماں کے خیالات جان کر پرسکون اور مطمئن سی ہو گئی۔

☆☆☆

ماہ پارہ کو جب عینا اور عمار کی شادی کی خبر ملی تو ان کے دل پر جیسے انگارے لوٹ گئے۔ نفرت سے دل

میں سوچا۔

”کتنا بے غیرت ہے حسنین اور اتنی ہی بے غیرت اور بے حس عمارہ ہے۔ ایک رشتہ توڑ کر دوسرا رشتہ نبھانا چاہ رہے ہیں دونوں۔ عمارہ کے نزدیک بیٹیوں کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ساری عمر اس افق کو سوتیلی بنا کر رکھا پھر اس کی خواہش کو میرے گلے میں لٹکا دیا اور میں بھی کتنی پاگل ہوں ابھی تک حارث کو ایسے ہی لیے بیٹھی ہوں۔ کیا مجھے عینا کا اب بھی انتظار تھا۔ کوئی بات نہیں..... حسنین کی بیٹی بیاہ کر اجڑے گی جیسی عقل آئے گی ان لوگوں کو میں آج ہی عاصمہ اور ساجدہ سے بات کرتی ہوں۔ اپنے حارث کو عینا سے پہلے بیاہ کر دکھاؤں گی۔“

☆☆☆

”کون بیٹی دے گا مجھے..... یہی کہا تھا ناں عمارہ نے، اب جا کر بتانا تم اسے کہ لاکھوں کا جہیز اور شہزادیوں جیسی دلہن لے کر آئی ہوں۔ ایسی جو ہاتھ لگانے سے بھی میلی ہو۔ بولتی ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ صبح مغنوں میں تو اب جوڑی بنی ہے میرے بیٹے کی۔“ ماہ پارہ نے فخر سے خالدہ کو بتایا تو وہ بھی حارث کی قسمت پر رشک کرنے لگیں۔

”آپا یہ تو بتائیں اُفق کا جہیز کہاں رکھوایا آپ نے؟“

”ارے تھا ہی کیا..... ایک بیڈ اور ایک سنگار دان..... اور کاٹھ کباڑ سا صندوق جس میں نہ جانے کیا الا بلا تھی۔ ہم نے تو آج تک ہاتھ نہیں لگایا۔ حسنین..... سے کہہ دیا ہے میں نے کہ عمارہ اور تنزیل سے کہہ دیں اپنی بیٹی کا سامان اٹھوالیں یہاں سے ویسے بھی میرے گھر میں تو اتنا بڑا جہیز آیا ہے کہ گھر ہی چھوٹا پڑ گیا ہے۔ میں اس کاٹھ کباڑ کو کہاں رکھوں گی۔“ ماہ پارہ مغرور لہجے میں بولیں پھر جیسے ماہ پارہ کو کوئی خیال آیا۔

”اور تم سناؤ عینا کیسی رہ رہی ہے اپنی سسرال میں؟“

”ٹھیک ہے آپا..... میں زیادہ دن کے لیے چھوڑتی نہیں۔ ایک دن چھوڑتی ہوں دو دن اپنے گھر میں رکھتی ہوں۔“

”ارے وہ کیوں..... کیا کھانے پینے کی کمی ہے عمارہ کے گھر میں؟“

”نہیں، نہیں آپا..... اصل میں آپ کو معلوم ہی ہے پرانے زمانے میں اس طریقے سے شروعات کی جاتی تھی بیٹیوں کو سسرال میں ایڈجسٹ کرنے کے لیے تو مجھے یہی طریقہ پسند ہے۔ ایک دفعہ ہی بیٹی کو سسرال میں جا کر پھینک دو تو سسرال والوں کی نظروں میں جلد بے وقعت ہو جاتی ہے۔ دو چار دن کے بعد ہی کام پر لگا دیتے ہیں۔ بھی میں تو اپنی بیٹی کو ایک سال تک نئی ٹیلی کر رکھوں گی۔“

”اعتراض نہیں ہوتا اس کی سسرال والوں کو، اس کے شوہر کو اس شیدول پر؟“ ماہ پارہ نے خالدہ کی بات پر استہزاءیہ انداز میں پوچھا۔

”ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں آپا..... جب اعتراض ہو گا تو دیکھ لیں گے۔“

”یہ سناؤ اُفق کا کیا حال ہے۔ حارث کی شادی کا دھچکا تو ضرور لگا ہو گا اسے۔“

”رہنے دیں آپا..... عجیب ہی بے حس لڑکی ہے، اسے تو جیسے احساس ہی نہیں البتہ عمارہ کھاٹ سے لگ گئی ہیں۔ عینا بتا رہی تھی سارا دن عمارہ آپ کو اور حارث کو کوستی رہتی ہیں۔ اتنی بد دعائیں دیتی ہیں کہ بتا نہیں سکتی۔“

”دیکھ لو میرے گھر کو..... یہ عمارہ کی بد دعائوں کی کرامات ہیں کیسے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔“ ماہ پارہ نے ہنس کر کہا۔

”ارے بد دعا بھی مظلوم کی لگتی ہے ظالم کی نہیں۔“ خالدہ نے ماہ پارہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔



افق اپنے کمرے میں لیٹی جیسے سوچوں کے گرداب میں پھنسی تھی۔ عمارہ کمرے میں آئیں تو افق کو الجھا

بکھرا دیکھ کر اُن کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ اُفق کے نزدیک آ کر بیٹھ گئیں۔

”اگر تم اپنی ضد چھوڑ دیتیں تو آج یہ نوبت نہیں آتی، بیاہ رچایا ہے اس نے دوسرا۔ کتنا بڑا دکھ ہے ایک عورت کے لیے یہ۔ پہلے ہی تمہاری زندگی کون سی اچھی گزر رہی تھی اوپر سے یہ عذاب بھی مسلط ہو گیا تم پر..... کیسے سنبھالو گی سب کچھ اُفق آج تک تم خود کو سنبھال نہیں پائیں، اب یہ حالات..... کیا اسی طرح چلے گا سب کچھ۔“ عمارہ بیگم دکھ اور افسوس سے بولیں۔

”میری قسمت میں یہی سب کچھ تھا جو ہو گیا۔ اگر حادثہ یا خالہ میرے لیے مخلص ہوتے مجھ سے محبت کرنے والے ہوتے تو ضرور میری خواہش کو پورا کرتے لیکن سب کی طرح انہوں نے بھی وہی کیا جو میرے مقدر میں چلتا آ رہا ہے۔ میں نے کہا تھا ناں آپ سے مت کریں آپ میری شادی۔“ اُفق کو خود بھی دکھ اور افسوس تھا حادثہ کی شادی پر لیکن اس کا اظہار کر کے نیچا نہیں ہونا چاہتی تھی لہذا اسی ہٹ دھرمی سے کہتی رہی۔

”مگر بعد میں تو رضا مندی تمہاری ہی تھی۔“

”صرف اس لیے کہ خالہ نے مجھے اُمید دلائی تھی وہ میری تعلیم میں میری مدد کریں گی اور کوئی وجہ نہیں تھی، مرنہیں رہی تھی میں اس کے عشق میں۔“

”اب وہ لوگ تمہیں کبھی لیے نہیں آئیں گے اُفق۔“

”تو میں کون سا جانے کے لیے تڑپ رہی ہوں۔ آپ بلا وجہ کی ٹینشن کیوں لے رہی ہیں۔“

”ٹینشن نہ لوں تو کیا کروں، پورے خاندان میں جگ ہنسائی ہو گئی میری صرف تمہاری وجہ سے۔ اُفق تم نے یہ سوچا ہے لیہا کی زندگی اور کتنی زیادہ متاثر ہو گی تمہارے معاملات سے..... پہلے ہی تمہاری وجہ سے اس کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔“

”دراصل آپ کے بہن، بھائی جو ہیں ناکوئی گیم کھیل رہے ہیں آپ کے ساتھ..... اور آپ سمجھ ہی نہیں پار ہیں۔“ اُفق ماں کی باتوں سے چڑ کر بولی۔

”آہستہ بولو، عینا گھر میں ہی ہے۔“

”جانتی ہوں میں..... ساری خبریں پہنچا رہی ہے وہ یہاں سے وہاں مگر مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، کتنا نقصان پہنچائے گی وہ مجھے۔“

”دیکھو اُفق، تم اپنے معاملات سے عینا کو دور ہی رکھو تو زیادہ بہتر ہے۔ ویسے بھی وہ کون سا یہاں روز رہتی ہے۔ ایک آدھ دن کے لیے یہاں آتی ہے۔ تم لوگوں کی ایسی باتیں سنے گی تو اس کے دل کو برا لگے گا۔“

عمار نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اُفق کے الفاظ سننے تو اسے تنبیہ کی۔

”اس کے دل کو برا لگے گا اور میں جو سن رہی ہوں میرے دل کو برا نہیں لگے گا۔“ اُفق نے غصے سے کہا۔

”میں اپنے کمرے میں رہتی ہوں۔ کسی کے معاملات میں مداخلت کرنے نہیں جاتی تو کسی کو کیا ضرورت ہے میرے کمرے میں کان لگا کر باتیں سننے کی..... اب کیا میں بولنا بھی چھوڑ دوں۔“

”ہاں تو تمہیں روکا کس نے ہے۔ بولو..... جی بھر کے بولو لیکن عینا کا نام لینے کی کوئی ضرورت نہیں تمہیں۔ تم اپنا گھر تو بسا نہیں سکیں دوسروں کا گھر تو مت خراب کرو۔“ اُفق کو شدید دھچکا لگا حیرانی سے ماں کی طرف دیکھا۔ عمار کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

”چند ہی دن میں بدل گیا ہے عمار..... بیوی کے سامنے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن تم فکر مت کرو میں سب سنبھال لوں گی۔ تم خود کو سنبھالو۔“ عمارہ بیگم دکھ اور صدمے سے بولیں۔



”کیا ضرورت تھی تمہیں اُفق کے ساتھ اس طرح بولنے کی۔ وہ کون سا تمہیں دیکھنے یا تمہارے معاملات میں بولنے آرہی ہے۔“

”تم نہیں جانتیں ایہا، اُفق کی ہٹ دھرمی اور ضد ہمارے پورے گھر کے لیے کتنی نقصان دہ ثابت ہو رہی ہے۔ میں ایسا نہیں تھا واقعی میں ایسا نہیں تھا لیکن مجھ میں جو بدلاؤ آیا ہے وہ اُفق کے معاملات کی وجہ سے آیا ہے۔ کتنی بد نصیبی کی بات ہے یہ ہمارے لیے کہ حارث نے دوسری شادی کر لی۔ اُفق یہاں بیٹھی ہے اور کچھ نہیں کر سکتے ہم حارث کا، اسے شادی کرنے سے روک نہیں سکے صرف کس وجہ سے اُفق کی ضد کی وجہ سے۔ آج ہم نے جو بے عزتی برداشت کی ہے..... اُفق کی وجہ سے جانتی ہو لوگ کتنی باتیں بنا رہے ہیں۔ امی کے متعلق ابو کے متعلق..... اور اُفق کو جیسے احساس ہی نہیں۔ مجھے تو یہ حیرت ہو رہی ہے اب امی کو اس سے ہمدردی کیوں ہو رہی ہے۔ امی کیوں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود۔“

”کیا کریں امی..... اور کربھی کیا سکتی ہیں۔ زیادہ اسے کچھ کہیں گے تو کھانا پینا چھوڑ دے گی۔ کمرے سے باہر نکلنا چھوڑ دے گی۔ اس لیے بہتر ہے ہم یہی سمجھیں کہ اُفق کی شادی ہوئی ہی نہیں تھی۔ جیسے وہ پہلے تھی ویسے ہی وہ اب ہے۔“ ایہا بے بسی سے بولی۔

”لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ اُفق کی سوچ بدلے یا نہ بدلے اب گھر کے حالات اور افراد بھی بدل گئے ہیں۔ یہ بات اُفق کو سوچنا پڑے گی۔ اب وہ پہلے کی طرح نہیں پڑی رہ سکتی ایک کمرے میں۔“ عمار نے کہا۔

”تمہارے خیال میں وہ گھر کے کام کاج میں حصہ لے گی۔ یہ ناممکن ہے، فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔“ ایہا الجھ کر بولی۔

”ہاں تو یہ بات تم امی کو سمجھاؤ جو اس کا روگ ہی لگا کر بیٹھ گئی ہیں۔ ایک کھوٹے سکے کے لیے جنگ لڑ رہی ہیں، ایسا سکے جو ہمارے کبھی کام نہیں آیا بلکہ اس کی وجہ سے ہمیں نقصان ہی پہنچا ہے۔“

”آہستہ بولو عمار، امی سن لیں گی تو دکھ پہنچے گا انہیں۔“

”میں سن ہی نہیں رہی دیکھ بھی رہی ہوں سب کچھ۔“ یکدم عمارہ بیگم بولیں تو عمار اور ایہا دونوں پشیمان سے ہو گئے۔ عمارہ سامنے ہی دروازے میں کھڑی تھیں۔

”ایک بات کان کھول کر سن لو تم لوگ..... اُفق تم لوگوں پر بوجھ نہیں ہے۔ آئندہ میں تمہارے منہ سے

اس کا ذکر نہ سنوں۔“ عمارہ بیگم نے کہا تو عمار نے الجھ کر ماں کو دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

حادث کی شادی کو مہینہ ہونے کو آ رہا تھا لیکن عروہ نے کسی کام کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا بلکہ عروہ بے چھوٹے موٹے کام بھی ماہ پارہ خود ہی کر دیا کرتی جیسے اس کا ناشتا بنانا اس کے کپڑے وغیرہ استری کر دینا۔ ماہ پارہ خوشی خوشی یہ سب کرتی چلی آ رہی تھیں۔ گھر میں ایک ملازمہ تھی جو گھر کی صفائی کچن کی صفائی اور کپڑے دھویا کرتی تھی لیکن عروہ کا گزارہ نہیں ہو رہا تھا اس لیے اس نے اپنے لیے ایک نئی ملازمہ کا بندوبست کر لیا تھا۔ عروہ کی ملازمہ کو دیکھ کر ماہ پارہ چونک گئیں۔

”کیا ضرورت تھی ایک اور ملازمہ کی چھوٹا سا تو گھر ہے ہمارا اور چھوٹی سی فیملی، تین لوگوں کے لیے دو دو ملازمائیں کچھ عجیب سا لگتا ہے۔“ ماہ پارہ بیگم بولیں۔ عروہ چونکہ بیٹھے اور دھیمے لہجے میں بولنے کی عادی تھی اور ماہ پارہ اور ان کی بیٹیاں عروہ کے انداز تکلم پر ہی مر مٹی تھیں۔ بولتی تھی تو گویا پھول جھڑتے تھے۔ عروہ اپنے انداز تکلم میں بولی۔

”اچھ بلی آئی آپ کو تو معلوم ہی ہے مجھے تو گھر میں اٹھ کر پانی بھی پینے کی عادت نہیں تھی اس لیے پاپا اور ماما نے فیصلہ کیا ہے کہ سہلی میرے ساتھ رہے گی، میری خدمت کے لیے۔“

”مگر..... عروہ کام تو سارے شہناز کر جاتی ہے تمہیں اور بھی کسی کام کی ضرورت ہوا کرے تو شہناز سے کہہ دیا کرو۔“

”آئی مجھے تو کام کہنے کی بھی کبھی عادت نہیں ہے۔ سہلی کو شروع سے معلوم ہے مجھے کب اور کس وقت کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ ٹینشن نہ لیں سہلی کو سہلی پاپا اور ماما ہی دیں گے۔ میری ملازمہ حادث کی سہلی پر بوجھ نہیں بنے گی۔“ عروہ نے دھیمے سے مسکرا کر محبت سے ماہ پارہ کو بازوؤں سے تھام کر کہا۔ ماہ پارہ خاموش ہو کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔

عروہ کا یہ عمل ماہ پارہ کو کھٹکا تو بہت لیکن دل ہی دل میں سوچا۔

”شام کو حادث آئے گا تو دیکھتی ہوں اس کا کیا رد عمل ہوتا ہے۔ آخر سبھی کچھ میں نے تو نہیں سوچنا حادث کی بھی تو کوئی سوچ ہوگی۔“

☆☆☆

شام کو حادث گھر آیا تو ماہ پارہ نے حادث سے عروہ کی ملازمہ کا ذکر کیا۔

”مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگا حادث کہ گھر میں ملازمہ موجود ہے اس کے باوجود عروہ نے فون کر کے

اپنے ماں باپ سے ملازمہ منگوائی۔ مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا اس نے۔“

”مجھے بتا دیا تھا اس نے آپ ٹینشن نہ لیں۔ اس نے ملازمہ منگوائی ہے خدا نخواستہ اپنے میکے سے امداد

نہیں جو ہمارے لیے پشیمانی یا ندامت کا سبب ہے بلکہ آپ کو تو سہولت ہو جائے گی..... شہناز آپ کے کام کر لیا

کرے گی اور عروبہ کی ملازمہ اس کے۔“

”تمہیں برا نہیں لگا حارث۔“ ماہ پارہ بیٹے کی تبدیلی پر حیران ہوئیں۔

”امی رات کافی ہو گئی ہے آپ سو جائیں، بے وجہ ٹینشن لینے سی آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔

کیون ٹینشن لے رہی ہیں آپ۔“ حارث نے نرمی سے کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ماہ پارہ کو برا لگا جیسے حارث انہیں یہ کہنا چاہتا تھا کہ دنیا بدل رہی ہے، امی حالات بدل رہے ہیں بہتر ہے آپ بھی تھوڑا سا خود کو بدلیں، اپنی سوچ کو بدلیں۔ ماہ پارہ کو اپنی سوچ پر جھرجھری سی آ گئی۔

”حارث کس طرح ریت کے مانند بند مٹھی سے نکلتا جا رہا ہے۔“ ماہ پارہ نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا پھر اپنی مٹھیاں بند کر لیں۔

☆☆☆

حارث کمرے میں داخل ہوا تو سلمیٰ عروبہ کے پاؤں دبا رہی تھی اور عروبہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ حارث کو دیکھ کر عروبہ نے سلمیٰ کو اشارہ کیا سلمیٰ کمرے سے باہر چلی گئی۔

”طبیعت ٹھیک تو ہے تمہاری؟“ حارث نے فکر مندی سے عروبہ سے پوچھا۔

”آپ کو دیکھ کر طبیعت ہی نہیں موڑ بھی بہت اچھا ہو گیا ہے میرا۔“ عروبہ ہلکا سا مسکرائی اور ناز وادا سے

بستر سے اٹھ کر حارث کی ٹائی کی گرہ کھولتے ہوئے بولی۔

”تمہاری یہی باتیں تو مجھے مارے ڈالتی ہیں، قسم سے آفس میں بھی تمہاری یہی باتیں یہی انداز یاد

آتے رہتے ہیں مجھے۔ اب تو کسی بھی کام میں جی نہیں لگتا۔ بس دل کرتا ہے تمہاری پاس بیٹھا رہوں، تم سے اپنے ناز اٹھواتا رہوں۔“ حارث، عروبہ کی ادا و انداز پر فریفتہ ہو کر بولا۔

”بہت لگی ہیں حارث صاحب آپ..... عروبہ دلنواز کے ناز گھر والے اٹھاتے تھے اور آپ کے ناز

عروبہ اٹھا رہی ہے۔“

”تھینک یو! تمہارے روپ میں مجھے ایک آئیڈیل جیون ساتھی ملا ہے۔ ایسی

بیوی ملی ہے مجھے جس کی ہر شخص کو تمنا ہوتی ہے۔“ عروبہ نے حارث کا کوٹ اتار کر بیگر میں لٹکایا اور حارث جوتے اتار کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

”چائے منگواؤں آپ کے لیے۔“ یہ کہتے ہوئے عروبہ نے سلمیٰ کو آواز دی۔ ”سلمیٰ..... سلمیٰ دو کپ

چائے بنا کر لے آؤ۔“ پھر عروبہ، حارث کے نزدیک بیٹھ گئی۔

”امی شہناز کو بالکل بھی میرے کمرے میں آنے نہیں دیتی تھیں اسی لیے میں نے سلمیٰ کا انتظام کر لیا۔

آپ کو برا تو نہیں لگا۔“

”نہیں، بالکل نہیں۔“ حارث نے مسکرا کر آنکھوں سے یقین دہانی کرائی۔

”لیکن امی کو بہت برا لگا۔ انہوں نے کھانا تک نہیں کھایا اس صدمے میں کہ سلمیٰ صرف میری خدمت

کرے گی اور دن رات اسی گھر میں رہے گی۔“ عروبہ بولی تو حارث اچھل ہی پڑا۔

”کیا سہلی دن رات اسی گھر میں رہے گی..... لیکن یہ ممکن نہیں ہے عروبہ..... کہاں رہے گی وہ؟“

”آپ اتنا پریشان کیوں ہو گئے حارث..... سہلی رات کو امی کے کمرے میں سو جایا کرے گی۔ آخر امی اکیلی ہی تو ہوتی ہیں۔“

”اگر امی اس بات کے لیے رضا مند نہ ہوں تو.....!“ حارث نے اندیشے سے کہا۔

”تو کوئی مسئلہ نہیں، سہلی ڈرائنگ روم میں سو جائے گی۔ ویسے بھی آپ کے علاوہ تو کوئی مرد نہیں اس گھر میں جو سہلی کو کوئی پریشانی ہوگی اور آپ تو میرے پاس ہوتے ہیں۔“ عروبہ مسکرا کر ادا سے بولی تو حارث مسکرا دیا۔

☆☆☆

عمار آج گھر آیا تو اس کے ہاتھ میں مختلف قسم کے شاپر تھے۔ عمار، عینا کے لیے لینن پرغڈ، لینن ایمرانڈری کے سوٹ لایا تھا۔ دوسوٹ اس میں لیبھا کے اور دو عمارہ کے بھی تھے۔

”افق کے لیے کچھ نہیں لائے تم؟“ عمارہ بیگم کپڑے دیکھ کر بولیں۔ افق نزدیک ہی بیٹھی تھی ماں کی بات پر چڑ گئی۔

”کیوں، کھنچ لاتی ہیں آپ بار بار ان لوگوں کے درمیان میں مجھے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں نہیں پسند کرتی میں ہمدردی اپنے لیے پھر کیوں آپ لوگوں کو میرے لیے ہمدردی پر اکساتی رہتی ہیں۔“

”اس میں ہمدردی کی کون سی بات ہے افق، اصول کی بات ہے۔ تم بھی گھر کی فرد ہو۔ تمہاری بھی ضرورتیں ہیں۔ اگر دو کپڑے یہ تمہارے لیے بھی لے آتا تو کون سی مصیبت آ جاتی۔“

”افق اس میں سے جو لینا چاہتی ہے لے لے۔“ عمار کو ماں کی بات بہت بری لگی لیکن وہ عینا کے سامنے کوئی تماشہ نہیں کرنا چاہتا اس لیے بولا۔

”مجھے کچھ نہیں لینا، لے جاؤ تم یہ سب یہاں سے..... اور آئندہ پلیز کم سے کم مجھے اس وقت آفرمت کرنا جب تم اپنی بیوی کے لیے کچھ لاؤ۔ امی، ابو کے کہنے سے بھی نہیں کیونکہ نہ ہی مجھے خود پر ترس کھانا پسند ہے اور نہ میں کسی کی چیزوں پر نظر لگاتی ہوں جس کی وجہ سے تمہیں صدقے میں مجھے کچھ دینا پڑے۔“ افق، عمار کی اس پیش کش پر چڑ کر بولی۔

”کتنی نیکیو سوچ ہے تمہاری افق، اس میں صدقے والی کون سی بات ہے۔ تم بھائی کی محبت کو اس نظر سے دیکھتی ہو۔“

عینا، افق کی سوچ پر قدرے حیران ہو کر بے ساختہ بولی۔ عمارہ کو عینا کا یوں مداخلت کرنا اچھا نہیں لگا۔

”عینا تم بیچ میں نہ ہی بولو تو بہتر ہے۔ یہ ان بہن بھائیوں کا معاملہ ہے۔“

”لیکن پھوپو، آپ افق کی سوچ تو دیکھیں۔ کتنا دکھ ہوا ہوگا عمار کو افق کی اس بات سے۔“

”بڑی ہمدردی ہے تمہیں اپنے شوہر سے، ساتھ دے رہی ہو اس کا۔“ افق غصے سے بولی تو عینا سے

برداشت نہیں ہوا۔

”ظاہر ہے شادی ہوئی ہے ان سے میری، میں ساتھ نہیں دوں گی تو اور کون دے گا۔“
 ”عینا تم اندر کمرے میں جاؤ۔“ عمار نے عینا کو روکا۔

”جاری ہوں، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور پلیز یہ چیزیں اب میرے کمرے میں مت لائیے گا۔“ عینا بھڑک کر بولی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”دیکھ لیا آپ نے..... یہی سمجھا رہا تھا میں کتنے دن سے آپ کو مگر آپ کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا تھا۔ دُنیا جہاں کی مظلوم تو اُفق ہے..... باقی ہم سب ظالم ہیں۔ جو کچھ بھی اُفق کے ساتھ ہوا ہے گویا ہماری وجہ سے ہوا ہے، ہے نا.....“ عمار، ماں سے بولا۔

”بکواس بند کرو عمار اپنی..... کس طرح بات کر رہے ہو تم ماں سے۔ چار دن میں ہی تمہارے تیور بدل گئے۔ بیوی اتنی پیاری ہو گئی تمہیں کہ تم گھر کے مسائل ہی سے دستبردار ہو بیٹھے۔“ تنزیل غصے سے کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

”گھر کے نہیں اُفق کے مسائل سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں میں۔ تھک گئے ہیں ہم بھی اُفق کے مسئلوں سے۔“ عمار غصے سے کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عمارہ بیگم کے چہرے پر غصہ اور بے بسی تھی۔ اُفق کے چہرے پر حیرت اور غصہ تھا۔ اُفق سب کے درمیان سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ تنزیل اور عمارہ پریشان اور بے بس ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگی۔



ماہ پارہ کی بیٹیاں آئیں تو انہوں نے عروہ کے بارے میں بیٹیوں کو بتایا اور دے دے انداز میں عروہ کی برائیاں اور شکایت کی۔

”دیکھیں امی، عروہ بھابھی بڑے گھر کی بیٹی ہے امیر والدین کی اکلوتی اولاد ہے نہ وہ آپ کی تنقید برداشت کرے گی اور نہ ہی طعنے..... بہتر ہے آپ روایتی ساس کا کردار ادا نہ ہی کریں۔“ عاصمہ ماں سے بولی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو عاصمہ تم..... میں روایتی ساس کا کردار ادا کر رہی ہوں۔ ارے صبح ناشتا بنا کر دیتی ہوں میں اسے..... کپڑے استری کر کے دیتی ہوں اس کے۔ جانتی ہو روایتی ساس ہوتی کیا ہے۔“

”جانتی ہوں امی اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ بس یہی کہنا چاہتے ہیں ہم لوگ آپ سے کہ اُفق کو تو آپ نے تھپڑ تک مار لیا تھا۔ سگی بھانجی تھی آپ کی..... مگر اس کے بارے میں ایسا مت سوچئے گا۔“

”وہ تو بدزبان کی کرتی تھی اس لیے میرا اس پر ہاتھ اٹھ گیا تھا لیکن یہ تو اندر ہی اندر میرے بیٹے کو کاٹ رہی ہے مجھ سے۔ حارث اتنا بدل گیا ہے اب بیٹھتا تک نہیں میرے پاس..... آفس سے آتے ہی سیدھا کمرے میں..... اور اس محترمہ کے پاس تو وقت ہی نہیں میرے پاس بیٹھنے کا۔ اُفق کم سے کم بدزبان تھی لیکن صاف تھی۔ جیسی اندر سے تھی ویسی ہی باہر سے لیکن یہ تو میٹھی چھری ہے۔“

”ایسا ہی ہوتا ہے امی..... ہر گزر جانے والی چیز کی انسان کو بعد میں ہی قدر آتی ہے لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ آپ کو اس پتھر کی یاد آ رہی ہے جو احساس اور محبت سے خالی تھا۔“

”پتا نہیں ان چھوٹے لوگوں کا مسئلہ کیا ہے۔ میاں بیوی کو ساتھ وقت گزارتا دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اتنا حسد اور جلن ہوتی ہے ان لوگوں میں۔“ عروبہ دروازے سے کان لگائے کھڑی..... ساری باتیں سن رہی تھی۔ دل ہی دل میں غصے اور جلن سے سوچا۔



”اتنی معمولی سی بات پر عمار گھر چھوڑ کر چلا گیا..... اتنی سی بات پر.....“ عمارہ بے بسی سے رو رہی تھیں

”امی..... عمار برداشت نہیں کرے گا کچھ بھی۔ اس نے ڈوبتے ہوئے ٹائٹنک کو بچایا ہے۔ احسانا کیے ہیں ہم پر..... وہ بیٹا ہے آپ کا، یہ بات آپ اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ واقعی حالات پہلے جیسے نہیں ہیں۔ اُن کو چاہیے بدلے خود کو۔ آپ اُن کو اس کے حال پر چھوڑ کر ایک اور غلطی کر رہی ہیں۔ عمار گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے عینا ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھ گئی ہے۔ کتنا برا اثر پڑے گا ہمارے گھر کا ماموں، ممانی پر جب آپ کا بیٹا بھی وہ جا کر بیٹھ جائے گا۔“ لیبیا، ماں سے بولی۔

”آخر بات ہوئی ہی کیا تھی جو ان لوگوں نے اتنا بڑا ایٹو بنا لیا۔ اُنق اور عمار کا معاملہ تھا، عینا کو درمیاں میں بولنے کی کیا ضرورت تھی۔“ عمارہ چڑ کر بولیں۔

”اتنی معمولی باتیں تو گھر میں ہو ہی جاتی ہیں لیکن عینا نے جان بوجھ کر بات کو بڑھایا ہے تاکہ اسے ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھنے کا موقع ملے اور وہ کھل کر ہماری مخالفت کرے اور عمار کو لے کر علیحدہ ہو جائے۔ منصوبہ تھا اس کا اور وہ بڑی آسانی سے اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئی۔“ عمارہ بدگمانی اور دکھ سے رو ہوئے بولیں۔

اُنق اپنے کمرے میں کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ اسے ان سارے حالات کا دکھ بھی تھا اور غصہ بڑھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ ابھی عمار سامنے آ جائے اور وہ اسے کھری کھری سنائے.....

”لیکن لیبیا نے کیا کہا ہے کہ سارے حالات میری وجہ سے ہی ہیں۔“ اس نے غم و غصے سے سوچا۔

”چاہے میں مداخلت کروں یا نہ کروں، میں بولوں یا نہ بولوں..... تمام حالات کی میں ہی ذمہ دار ہوں اس لیے کہ میں اس گھر میں پڑی ہوں۔ کون سا ٹھکانا ہے میرا جہاں میں چلی جاؤں۔“ اس نے غصے اور نفرت سے سوچا اور پھر چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگی۔ شور شرابے کی آواز پر عمارہ اور لیبیا..... تیزی سے اُن کے کمرے میں آئیں تو وہ غصے سے چلانے لگی۔

”کہاں جاؤں میں..... کون سا ٹھکانا ہے میرا۔ کیوں۔ کیوں میری زندگی اجیرن کر دی ہے تم سب نے۔“

”زندگی ہم نے نہیں، خود تم نے اجیرن کر رکھی ہے۔ ایک ضد نے تمہاری پوری زندگی برباد کر دی مگر تم نے وہ ضد نہیں چھوڑی۔ رہو تم اپنی ضد پر قائم اور دیکھو تماشا.....“ لیبیا نے غصے سے اور افسوس سے اُنق

جھبھوڑتے ہوئے کہا۔ پھر ایہا، عمارہ کو اُفق کے کمرے سے لے کر چلی گئی۔

☆☆☆

ابھی صبح ڈھنگ سے بھی نہیں ہوئی تھی کہ اُفق کا جہیز ٹرک میں لوڈ ہو کر گھر آ گیا۔ عمارہ اور تنزیل ماہ پارہ کی اس پیش قدمی پر اور بھی ٹوٹ گئے۔ تنزیل نے سارا سامان ٹرک سے اتروالیا تو ڈرائیور نے کچھ چیزیں ہاتھ میں دیں، وہ اُفق کے زیورات تھے جو عمارہ نے چڑھائے تھے۔

”صاحب سامان چیک کر کے آپ اس پرچی پر دستخط کر دیں تاکہ ہم مالکان کو جا کر بتا دیں کہ سامان مکمل پہنچ گیا ہے۔“ ڈرائیور بولا۔

تنزیل صدمے کی حالت میں تھے۔ اُفق کمرے سے نکل کر آئی اور زیورات کھول کر دیکھے، چار چوڑیاں اور ایک ٹیکس سیٹ، نتھ اور ٹیکا سب کچھ موجود تھا۔ اُفق نے ڈرائیور سے پرچی لی اور سائن کر دیے۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے اُفق کو دیکھا۔ وہ بالکل بھی شک نہ نہیں تھی جیسے وہ اس عمل کے لیے پہلے سے ہی تیار تھی۔

”یہ سامان میں نے خود فون کر کے منگوایا ہے۔“ ڈرائیور کے جانے کے بعد اُفق بولی۔
 ”اور کتنی کالک لگاؤ گی تم ہماری منہ پر.....“ عمارہ بیگم نے جذباتی پن سے اُفق کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔
 ”یہ جہیز کا سارا سامان میرا ہے، اس پر حق بھی میرا ہے۔ کسی کی ملکیت نہیں ہے یہ کہ وہاں پڑا رہتا جب میں یہاں ہوں تو میرا سامان بھی یہیں ہونا چاہیے۔“ اُفق ہٹ دھرمی سے بولی۔

”کیا کرو گی تم اس سامان کا۔ عزت تو تمہاری گئی اس سامان کا تم کیا تاج محل بناؤ گی؟“
 ”مجھے معلوم ہے کتنی مشکل سے آپ نے میرے لیے جہیز بنایا تھا۔ اس سارے سامان کو سنبھال کر رکھ دیجیے ایہا کے کام آئے گا۔ علاوہ اس زیور کے..... لیکن فکر مت کیجیے گا، میں یہ زیور جلد لوٹا دوں گی آپ لوگوں کو۔“ اُفق یہ کہتے ہوئے زیورات اپنے کمرے میں لے گئی۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆☆☆

”ماہ پارہ آپا کا فون تھا۔ بتا رہی تھیں اُفق نے خود فون کر کے اپنا جہیز واپس منگوایا ہے ان لوگوں سے۔ تو بہ تو بہ..... بھی اتنی ہٹ دھرم اور بدتمیز لڑکی میں نے..... دیکھی نہ سنی..... مجھے تو یقین نہیں آتا حسین نے کہ وہ آپ کی بھانجی ہو سکتی ہے۔“ خالدہ نے حسین اور عینا کو بتایا۔

”پورے خاندان کا نام ڈوبیا ہے اس لڑکی نے۔ ٹھیک کیا عینا تم یہاں آ گئیں نہ جانے وہاں اور کیا کچھ ہونے والا ہے۔ عمار کا کچھ پتا چلا وہ گھر چلا گیا یا اپنے دوست کے ہاں ہی ٹھہرا ہوا ہے۔“ حسین رنج اور افسوس سے بولے۔

”ابو عمار اپنے گھر چلے گئے ہیں..... پھوپھو کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس لیے آپ تو جانتے ہیں عمار اپنی امی سے کتنی محبت کرتے ہیں۔“

”تو پھر تم اب واپس اپنے سرال جاؤ گی؟“

”پتا نہیں ابو..... عمار جیسا کہیں گے..... فی الحال تو میں یہیں ہوں۔“ خالدہ اور حسنین چپ ہو گئے۔ عروبہ کے ماں بننے کی خبر جیسے ہی ماہ پارہ نے سنی تو سب کچھ بھول بھال گئیں۔ حادثہ بھی اس خبر پر بہت خوش تھا۔ عروبہ کو اور بھی چاہت سے نواز رہا تھا۔ حادثہ باپ بننے کی خوشی میں یکسر بھول گیا تھا کہ وہ بھی کسی کا بیٹا ہے۔ ہر وقت عروبہ کی ناز برداریاں اور اس کی ضرورتوں کا خیال حادثہ کو یکسر ماں سے دور کر رہا تھا۔ کچھ عروبہ میں بھی ایسی ہوشیاری اور چالاکی تھی کہ وہ حادثہ کو ماہ پارہ سے روز بروز بدن کر رہی تھی۔ ویسے عروبہ، ماہ پارہ سے کبھی اکڑ کر نہیں بولتی تھی، کبھی بدتمیزی نہیں کرتی تھی لیکن ماہ پارہ کو عروبہ پر برتری اور حاکمیت بھی حاصل نہیں تھی بلکہ بعض اوقات تو ماہ پارہ کو عروبہ کے سامنے اپنا آپ حقیر اور کمزور سا لگتا۔ دن ایسے ہی گزر رہے تھے۔

افق نے زیورات بیچ کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ ادھر حادثہ کے بیٹا ہوا تو عروبہ نے علیحدگی کا مطالبہ کر دیا۔ عینا واپس آ تو گئی لیکن عمارہ کے دل کی خلش کو مٹانہ سکی۔ عمارہ کے عینا کے ساتھ آئے روز کے جھگڑے بڑھتے چلے گئے۔ عینا کا رویہ گھر میں کبھی سے خراب رہنے لگا۔ یہ کھینچا تانی اتنی بڑھی کہ عمار، عینا کو لے کر علیحدہ رہنے پر مجبور ہو گیا۔ ادھر خالدہ اور حسنین نے عمارہ اور تنزیل سے محاذ آرائی شروع کر دی۔ عینا اور عمار کے علیحدہ گھر جانے تک یہ محاذ آرائی نہ رکی۔ جس کی وجہ سے عمارہ اور حسنین کے درمیان دوری بڑھتے بڑھتے نفرت کی حدوں کو پہنچ گئی۔

”ماہ پارہ یہی چاہتی تھیں لیکن جب ان کی یہ چاہت پوری ہوئی تو ان کے پاس کھیلنے کیلئے کوئی بھی بازی نہیں تھی۔ خالدہ، ماہ پارہ کو عینا کے متعلق بتا رہی تھیں اور انہیں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ آج صبح ان کے گھر میں کیسا انقلاب آیا۔“

”امی آپ کیوں عروبہ کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ عروبہ آپ کی اتنی عزت کرتی ہے اور آپ اس پر ہر وقت تنقید کرتی رہتی ہیں۔ عروبہ شہرام میں بڑی رہتی ہے تو کیا ہوا اگر آپ گھر کے دوسرے کام دیکھ لیں گی تو..... اور ویسے بھی گھر میں دو، دو ملازمائیں ہیں..... صرف ان پر نگرانی ہی تو کرنا ہوتی ہے۔ آپ کیوں کہتی ہیں بار بار کہ عروبہ ہر وقت اپنے کمرے میں ہی رہتی ہے۔“ حادثہ نے آکر ماں سے کہا۔

”کیا ہوا ماہ پارہ آپا..... آپ کچھ بول نہیں رہیں۔“ ماہ پارہ نے چونک کر خالدہ کو دیکھا جیسے خود کو

سنجھالا۔

”نہیں..... نہیں میں سن رہی ہوں..... یہ بتاؤ عینا کے کوئی بال بچہ ہوا یا نہیں۔“

”ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا۔ علاج کرا رہی ہوں میں اس کا۔ عمار بہت ڈسٹرب رہتا ہے۔ علیحدہ گھر میں لے تو آیا ہے وہ عینا کو..... لیکن اس کا دل اپنی ماں کے قدموں میں ہی پڑا رہتا ہے۔ میں اور حسنین تو یہ سوچ رہے ہیں عمارہ اور اس کا بیٹا قابو میں جیسی آئیں گے جب ہم لیبیا کو بیاہ کر اپنے گھر لے آئیں گے۔“ خالدہ برا سامنہ بنا کر بولی۔

”میں نے تو چاہا تھا رشتے داری سے لے کر تعلق تک سب ختم ہو جائے تم لوگوں کے بچ لیکن..... یہ کیا وقت وہیں لوٹ گیا جہاں سے میں نے اسے دھکیلا تھا۔“ ماہ پارہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

”اور سنائیں آپا..... کیسی رہ رہی ہے آپ کی بہو..... سنا ہے دوسری بار ماں بننے جا رہی ہے عروہ.....

بھی بہت خوش قسمت ہیں آپ..... پوتے پوتیاں کھلانے کا ہی شوق تھا آپ کو جیسی حارث کی شادی کی جلدی بچائی تھی آپ نے..... اور اللہ نے آپ کی سن لی۔“ ماہ پارہ جبراً مسکرائیں۔

”جلدی تو میں نے اس لیے بچائی تھی تاکہ ساری بساط خراب کر سکوں لیکن مجھے کیا معلوم تھا مات مجھے ہی ہوگی۔“ ماہ پارہ بیگم نے سوچا۔

”عروہ نے حارث کے دل میں میرے لیے اتنا زہر گھول دیا ہے کہ وہ مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔“ ماہ پارہ بیگم کے چہرے پر برسوں کی تھکن تھی۔ خالدہ کو ماہ پارہ کا انداز عجیب سا لگا۔



خالدہ اس بات کا اظہار حسنین سے کیے بنا نہیں رہ سکیں۔

”پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ آپ کی بہن نے اپنی بڑی بہو یعنی افق کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ کچھ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی انہوں نے۔“

”اب رہ بھی کیا گیا ہے پوچھنے کے لیے، جہیز کا سامان تک تو اٹھو الیا افق نے..... کم سے کم سامان پڑا رہتا تو انہیں یہ تو یاد رہتا کہ افق بھی حارث کے نکاح میں ہے..... کبھی نہ کبھی بھولے بسرے یاد ہی کر لیا کرتے اسے۔ یہ سارے تعلق افق نے خود ختم کیے ہیں۔ ویسے ایک عجیب بات بتاؤں تمہیں، میں نے سنا ہے افق نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا ہے۔“

”ساری زندگی برباد کر کے اب پڑھ لکھ کر وہ کیا کرے گی۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور لڑکیوں کے لیے تو خاص طور پر وقت بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ تعلیم کے بعد شادی، شادی پر نہ ہو تو کبھی نہیں ہو پاتی۔ اگر اسے زندگی کی طرف لوٹنا ہی تھا تو اسے چاہیے تھا اپنی زندگی برباد ہونے سے بچائی..... چلی ہے پڑھنے، کون سا تیر مار لے گی ہم بھی دیکھ لیں گے۔“ خالدہ حیران تھیں، طنزیہ بولیں۔



زیر شاہ کی قربت نے افق میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ افق ہنسنے بولنے لگی تھی۔ اپنا خیال رکھنے لگی تھی۔ صبح سویرے زیر شاہ اس کا حال چال پوچھتا تھا افق کو اچھا لگتا تھا۔ زیر، افق سے چھوٹا تھا خوش مزاج اور چنچل لڑکا تھا۔ زیر شاہ افق کا کلاس فیلو تھا۔ اکثر اسے اپنی گاڑی میں ڈراپ بھی کر دیتا۔

آج گاڑی میں زیر نے ہنسی مذاق کرتے ہوئے افق کو پروپوز کر ڈالا..... وہ حیران ضرور ہوئی لیکن چونکی نہیں..... اس کے ضمیر اوپر زیر پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

”میں نے اتنی اہم بات کی آپ سے اور آپ نے مجھے کوئی رسپانس ہی نہیں دیا۔“ افق ہلکا سا مسکرائی

اور اعتماد سے بولی۔

”میں میریڈ ہوں۔“ زیر چونکا پھر ہنس دیا۔

”مذاق اچھا کر لیتی ہیں آپ۔“

”تم یہیں اُتار دو مجھے..... مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔“

”میں واقعی سیریس ہوں اُفتخ۔“

”تم سے ایک بات پوچھوں زیر..... کیا تم نے مجھ سے دوستی اس لیے کی تھی کہ مجھ سے شادی کرو گے؟“ اُفتخ نے زیر کی طرف دیکھا اور سنجیدگی سے بولی۔

”نہیں دوستی اس لیے تو نہیں کی تھی لیکن دوستی کرنے کے بعد مجھے لگا ہے آپ..... اور میں اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔“ زیر تھوڑا سا کنفیوز ہو کر بولا۔

”اچھی زندگی شادی کے بغیر بھی تو گزار سکتے ہیں ہم لوگ.....“

”مگر اس میں حرج بھی کیا ہے اُفتخ؟“

”حرج ہے نا..... میں ایک اچھے دوست کو کھو دوں گی۔“

”دیکھو ہم جس معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں لڑکے، لڑکی کی دوستی کیا معنی رکھتی ہے، تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ میں اس دوستی کو کوئی معنی دینا چاہتا ہوں۔“

”میں حیران ہوئی ہوں تمہاری پیش کش پر..... یونیورسٹی میں اتنی اچھی اچھی لڑکیاں ہیں اور تم نے میرا انتخاب کیا۔“

”تم ان سب لڑکیوں سے بہت مختلف ہو اُفتخ..... بتا ہے کیا میں نے پاپا، ماما سے بھی تمہارا ذکر کیا ہے۔ ملوانا چاہتا ہوں میں ان لوگوں کو تم سے۔“

”ضرور ملوں گی میں تمہاری ماما، پاپا سے لیکن ایک شرط پر..... تم شادی کی کوئی بات نہیں کرو گے۔“ اُفتخ کچھ سوچ کر بولی۔

”مگر کیوں اُفتخ؟“ زیر زچ سا ہوا۔

”میں شادی شدہ ہوں زیر..... اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ہاں البتہ تم چاہو تو میرے گھر والوں سے تصدیق کر سکتے ہو۔ نکاح نامہ بھی دکھا سکتی ہوں میں تمہیں۔“ اُفتخ کچھ اس انداز میں بولی کہ زیر دنگ رہ گیا..... پھر اُفتخ نے اپنی بارے میں سب کچھ زیر کو بتا دیا۔

☆☆☆

”حارث..... یہ کچھ ملائی ہے کھانے میں، میں اس کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھاؤں گی..... کہہ رہی ہوں میں تم سے..... میرا دم گھٹ رہا ہے اس گھر میں..... مجھے جانا ہے..... مجھے کہیں لے چلو یہاں سے لے چلو حارث۔“

”کیا ہو گیا ہے امی آپ کو..... عروبہ آپ کا اتنا خیال رکھتی ہے اور آپ اسی پر شک کر رہی ہیں۔“

”ہاں..... تو کیوں نہ کروں شک..... یکدم بستر پر بیٹھ گئی میں پیروں سے چلا نہیں جاتا مجھ سے..... گھٹنے جڑ سے گئے ہیں میرے۔“

”امی عمر کا تقاضا ہے..... یہ کیوں نہیں سمجھتیں آپ.....“

”ہاں..... یکدم سو سال کی ہو گئی ہوں میں۔“

”گھٹنوں میں تکلیف تو آپ کو سو سال پہلے سے ہی ہے۔ میرا مطلب ہے پہلے سے ہی ہے۔ اب آپ ٹھیک سے دو انہیں لے رہیں اس لیے ہو گیا ہوگا۔ شہناز سے کہیں پیروں کی مالش کرے آپ کے۔“

”شہناز تو اب آتی ہی نہیں۔ سارے کام ہی تمہاری بیوی کی ملازمہ کرتی ہے۔ سہلی نے اور اس نے پورے گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں تو فریج سے پانی بھی اٹھ کر پینے کے قابل نہیں ہوں حارث۔“

”اچھا، میں کل آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلوں گا آپ فکر نہ کریں۔ لائٹ بجھا دوں تاکہ آپ سو جائیں۔“

”نہیں..... نہیں لائٹ مت بجھانا..... دم گھٹنے لگتا ہے میرا۔ بالکل اندھیرا ہو جاتا ہے۔ سانس نہیں آتی مجھے۔ لائٹ کھلی رہنے دو..... اور یہ کھڑکی بھی تھوڑی سی کھول دو۔ اب جاؤ تم..... اور ہاں سنو حارث..... میں اگر آواز دوں تو جلد سن لینا..... کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دم گھٹ جائے۔“

”کیا ہو گیا ہے امی آپ کو، ایسا کچھ نہیں ہوگا میں آپ کے پاس ہی ہوں آپ سو جائیں۔“ ماہ پارہ بیگم کو بستر پر لٹا کر حارث دبے قدموں کمرے سے نکل گیا۔



”مجھے لگتا ہے امی کو کیسٹرک کا مسئلہ ہے جو بہت بڑھ گیا ہے جب گیس کے بخارات دماغ پر چڑھتے ہیں تو انسان یونہی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے جیسے امی کر رہی ہیں اور اُلٹے سیدھے خواب آتے ہیں گیس کے مریض کو بدہضمی اور جلن ہوتی ہے جس، گھٹن محسوس ہوتی ہے۔“ عروہ، حارث کو پریشان دیکھ کر ماہ پارہ کے متعلق مطمئن کرنا چاہ رہی تھی لیکن حارث مطمئن نہیں ہوا۔

”لیکن عروہ، امی کے پاؤں کام نہیں کر رہے یہ بہت تشویش کی بات ہے میرے لیے..... کل میں امی کا مکمل چیک اپ کراتا ہوں۔ ملتا ہوں ان کے ڈاکٹر سے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ امی بالکل ہی معذور ہو کر بیٹھ جائیں، کون سنبھالے گا انہیں۔“

”یہ تو فکر مندی کی بات ہے۔ اگر حارث نے امی کی بلڈ رپورٹس کروالیں تو پول کھل جائے گا کہ انہیں خوراک میں پوائزن دیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے ان کا زورس سٹم آہستہ آہستہ کام کرنا چھوڑ رہا ہے۔ نہیں، میں یہ ہونے نہیں دوں گی۔ کسی نہ کسی طریقے سے روکوں گی حارث کو اور اس کے لیے مجھے اپنی طبیعت خراب کرنا ہو گی۔“ عروہ نے دل ہی دل میں سوچا۔

”تم فکر نہیں کرو حارث امی ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں بھی کل تمہارے ساتھ چلوں گی۔ واقعی ان کا

باقاعدہ چیک اپ ہونا بہت ضروری ہے۔“ عروبہ حارث کو تسلی دینے کو بولی۔
 ”اس حال میں بھی تم امی کی کتنی دیکھ بھال کتنی پروا کر رہی ہو عروبہ، تھینک یو..... سوچ عروبہ۔“ حارث
 محبت سے عروبہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

”یہ تو میرا فرض ہے حارث اب تم بھی آرام کرو۔ بالکل ہی نکھر کر رہ گئے ہو تم۔ اس طرح تو تمہاری
 بھی صحت خراب ہو جائے گی۔“ عروبہ کی توجہ اور محبت پر حارث مطمئن ہو گیا۔



”کیا ضرورت تھی عروبہ بی بی آپ کو اپنی ساس کو کھانے میں گولیاں ڈال ڈال کر دینے کی۔“
 ”تو کیا کرتی..... دیکھا نہیں تھا تم نے کس قدر ہریات میں مداخلت کیا کرتی تھیں۔ حارث کو کتنا کہا
 کہ علیحدہ ہو جائیں لیکن مانے نہیں، اب سوائے اس کے کوئی حل ہی نہیں تھا کہ وہ گم صم ہو کر بستر پہ پڑ جائیں اور
 میرے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔“

”عروبہ بی بی..... میں آپ کو ایسے تعویذ لا کر دیتی کہ آپ کا کام بھی ہو جاتا اور کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔“
 ”پاگل ہو گئی ہو تم سہلی، یہ سنسنی دور ہے اس دور میں تعویذ گنڈے اثر نہیں کرتے۔ میڈیسن کے
 ذریعے سارے مسئلے حل کیے جاسکتے ہیں۔“
 ”لیکن عروبہ بی بی..... حالت بہت خراب ہو رہی ہے آپ کی ساس کی..... حلوٹ میاں کو آپ پر
 شک ہو گیا تو جان سے مار دیں گے آپ کو۔“
 ”کون بتائے گا..... تم بتاؤ گی انہیں؟“

”نہیں..... نہیں توجہ کریں عروبہ بی بی..... میں کیوں بتاؤں گی..... لیکن وہ ڈاکٹر کے پاس جائیں گی
 اور ان کی ٹیسٹ رپورٹس میں پتا چل گیا تو.....“

”میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ حارث کے آنے میں ابھی آدھا گھنٹا ہے۔ تم یہ کپڑے سکھا کر نیچے
 آ جاؤ میں بھی نیچے ہی جا رہی ہوں۔ تم حارث کو فون کر دینا کہ اچانک میری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ حارث
 آئے گا تو سیدھا میری طرف اور میری حالت دیکھ کر مجھ میں انوالو ہوگا۔ اور مجھے امید ہے تین چار دن تک وہ مجھی
 میں انوالو رہے گا اور اس کے بعد وہ امی کا چیک اپ کروانا بھول جائے گا تم فکر نہیں کرو۔“

آہٹ پر عروبہ نے پلٹ کر دیکھا حارث پیچھے ہی کھڑا تھا۔ سہلی بھی چونک گئی۔ حارث کے چہرے پر
 غصہ اور شدید نفرت تھی جیسے وہ ساری باتیں سن چکا ہو۔ عروبہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس نے
 حارث کی آنکھوں میں کبھی اتنی وحشت اتنا غصہ اور جنون نہیں دیکھا تھا۔ وہ خوف کی وجہ سے پیچھے ہٹنے لگی۔ جیسے
 اس منظر سے غائب ہونا چاہتی ہو یکدم عروبہ کا پاؤں ڈمگایا اور وہ سیڑھیوں سے گرتی چلی گئی اور بے ہوش ہو گئی۔
 عروبہ کا ساتواں مہینہ بھی تھا۔ حارث کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ جیسے تیسے عروبہ کو اسپتال لے کر گیا۔ بچے کی
 حالت بہت نازک ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر نے فوراً آپریشن کا فیصلہ کیا اور بد قسمتی سے ڈاکٹر بچے کو تو بچانے میں

کامیاب ہو گئے لیکن عروبہ کو بچا نہیں پائے۔ حارث کے لیے یہ حادثہ بہت اندوہ ناک تھا۔ سات ماہ کا بچہ تین ماہ تک مشینوں میں ہی پروان چڑھتا رہا۔ حارث، عروبہ کی موت کے صدمے اور غم سے نڈھال تھا۔ حارث کا بڑا بیٹا جو صرف ڈیڑھ برس کا تھا سسلی اسے سنبھالتی۔ ماہ پارہ صدمے اور بیماری سے مستقل بستر پر پڑ گئیں۔

عاصمہ اور ساجدہ چھ ماہ تک کسی نہ کسی طرح روزانہ آتی رہیں اور ماں کے گھر کی دیکھ بھال کرتی رہیں لیکن آخر وہ بھی کب تک اپنے گھر اور بچے چھوڑ کر آئیں بالآخر انہوں نے بھی اپنا آنا جانا کم کر دیا۔ جیسے تیسے حارث نے خود کو سنبھالا۔ چھوٹا بچہ بھی اب گھر میں ہی آ گیا تھا سسلی کے لیے دو بچوں کو سنبھالنا خاصا مشکل تھا۔

حارث کو جب بھی خیال آتا کہ عروبہ نے اس کی ماں کو زہر دے کر اس حال پر پہنچایا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے وہ بے کل اور بے چین ہو جاتا پھر حارث نے سسلی کو بھی کام سے نکال دیا اور ایک نئی ملازمہ رکھ لی۔ ایک ملازمہ ماں کے لیے اور ایک بچوں کے لیے، پھر بھی نہ تو بچے صحیح پرورش پا رہے تھے اور نہ ہی ماہ پارہ کی دیکھ بھال صحیح ہو رہی تھی۔

حارث جب بھی گھر میں آتا ملازمائیں یا تو بچن میں کھس کر کچھ کھا رہی ہوتیں یا ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہوتیں۔ حارث بری طرح سے ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو گیا..... وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زندگی اسے اس دوراہے پر لا کھڑا کرے گی۔



افق کا ابھی رزلٹ بھی نہیں آیا تھا کہ زیر شاہ نے اسے اپنے پاپا کی کمپنی میں جاب دلوا دی۔ زیر شاہ، افق کے لیے شارٹ کٹ ہی نہیں بہت کی بھی ثابت ہوا..... یا شاید اس کی زندگی سے اب برے دن نکل گئے تھے۔ ادیہا کا رشتہ حسنین اور خالدہ نے دوبارہ مانگا لیکن افق نے انکار کر دیا کہ ادیہا اب اس گھر میں نہیں جائے گی۔

افق کے خیالات اور رائے سے سبھی نے اتفاق کیا۔ اس نے خود کو کیا سنبھالا تھا ہر چیز ہی بدلتی چلی گئی۔ کہتے ہیں انسان اپنی تربیت خود کرتا ہے۔ خود کو بنا بھی سکتا اور بگاڑ بھی سکتا ہے۔ اس وقت افق ملٹی میشل کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھی۔ وہی افق جس نے اپنی زندگی کے بہترین سال بے وجہ جھگڑ کر ضد کی نذر کیے تھے۔ جب تک انسان اپنا بوجھ خود نہ اٹھائے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ افق کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی۔

عمار کے چلے جانے کے بعد گھر کی وہی صورت حال ہو جاتی جب تنزیل کا کاروبار ڈوبا تھا لیکن افق نے ماں باپ کو سہارا دیا۔ افق نے پہلی سیلری ماں کے ہاتھ میں لا کر دی تو عمارہ کی دکھ اور شرمندگی سے آنکھیں بھر آئیں۔ انہیں احساس ہو گیا کہ بیٹے ہی نہیں بیٹیاں بھی بوجھ اٹھا سکتی ہیں، سہارا بن سکتی ہیں۔ آج سے اٹھ سال پہلے اگر عمارہ بیٹی کا سہارا بنیں تو افق کے آٹھ سال برباد نہ ہوتے، وہ بدنام نہ ہوتی لیکن اسے اب ان باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی، وہ بڑے اعتماد سے سراٹھا کر جی سکتی تھی۔ کہہ سکتی تھی دُنیا والوں کو کہ جیت جذبے کی ہوتی ہے۔ افق میں passion تھا اس نے اپنی منزل کو پایا لیکن کسی بھی منزل تک جانے کے لیے صحیح راستے کی

سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور کوئی بھی راہ بنا رکاوٹ کے نہیں ہوتی۔

ہر روز صبح آفس جاتے ہوئے عمارہ، اُفق کو ناشتا بنا کر دیتیں۔ اس کا لُچ پیک کر کے دیتیں۔ لہذا اس کے کپڑے پریس کر کے رکھتی تاکہ صبح اسے جانے سے میں کوئی تنگی نہیں ہو۔ لوگ باتیں بھی بناتے تھے کہ عمارہ اور تنزیل بیٹی کی کمائی کھا رہے ہیں لیکن اب اُفق کو ان باتوں پر غصہ نہیں آتا تھا بلکہ عمارہ کو حیرت ہوا کرتی جب وہ انہیں سمجھاتی کہ لوگوں کی پرواہ کرنا چھوڑ دیں۔

زیر شاہ اب بھی اُفق کے پیچھے تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح سے وہ اپنے شوہر سے طلاق لے لے جبکہ اُفق نے اس بارے میں اب بھی سنجیدگی سے سوچا بھی نہیں تھا کہ حادثہ سے اس کا ایک بزنس کانفرنس میں آنا سامنا ہوا۔

حادثہ، اُفق کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جس کو اس نے یہ کہہ کر رنجیکٹ کیا تھا کہ وہ ایک نفسیاتی مریضہ ہے آج وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے باس کے ساتھ کھڑی تھی۔ اُفق نے بھی حادثہ کو دیکھا۔ حادثہ پہلے کی نسبت کمزور ہو گیا تھا۔ رنگ بھی اب دیا کھلا ہوا نہیں رہا تھا اس کی شیو بھی بڑھی ہوئی تھی، آنکھوں پر چشمہ لگا تھا، اس کی نسبت اُفق روشن روشن لگ رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ حادثہ، اُفق کی طرف بڑھا تو وہ انجان بن کر آگے بڑھ گئی۔ زیر شاہ اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ حادثہ کے لیے اُفق کا یہ قدم نہایت ہی شاکد تھا۔



اس رات حادثہ کو نیند نہیں آئی۔ وہ ساری رات کروٹیں بدلتا رہا اور اُفق کے بارے میں سوچتا رہا۔ ساری رات حادثہ، اُفق اور عروہ کو کمپیئر کرتا رہا۔

”افق بظاہر تند مزاج تھی ہر بات منہ پر کہہ دیتی تھی۔ ہر بات کا جواب دیتی تھی۔ اس نے کبھی اپنی امی کی دلجوئی نہیں کی۔ میرے لیے نہیں جھکی اپنی ضد پر قائم رہی اپنی بات منوانا چاہتی تھی۔ بات منوانے کے لیے اس نے اپنے اصول توڑے۔ وہ امی کے لیے بھی جھکی اور میرے لیے بھی اور جب اسے لگا اسے اپنا حصول یہاں نہیں ملے گا تو وہ بکھر گئی ڈٹ گئی..... اور پھر اس نے کسی کو بھی کچھ نہیں سمجھا، نہ کسی رشتے کو اور نہ ہی زندگی کی تبدیلی کو۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان خود اسے ہی پہنچا۔ ہر جگہ ذلیل و خوار ہوئی بدنام ہوئی۔ عروہ شیریں تکلم تھی، مہمان نواز تھی لیکن کتنی خطرناک ثابت ہوئی وہ امی کو قطرہ قطرہ زہر دے کر مارنا چاہتی تھی۔ اتنی خطرناک عورت۔ دغلی عورت، جھوٹی اور چال باز عورت جس کے جال میں، میں ایسا گرفتار ہوا کہ مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔“

امی کو پوتے پوتیاں کھلانے کا شوق تھا اب دودو پوتے ہیں امی کے..... اور امی اس قابل بھی نہیں ہیں کہ خود کو سنبھال سکیں بچوں کو تو کیا سنبھالیں گی۔ اُفق..... میری بیوی ہے، وہ مجھے اس طرح نظر انداز کر کے کسی اور کے ساتھ کیسے پھر رہی ہے وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ میرے گھر آئے یا نہ آئے۔ میرا گھر بسائے یا نہ بسائے لیکن

وہ کسی اور کے ساتھ کیسے..... یہ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔“ حارث غصے اور نفرت سے بے چین ہو گیا۔

☆☆☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب ماہ پارہ کے چیخنے کی آوازیں آئیں۔ حارث دوڑ کر ماں کے پاس گیا۔ ماہ پارہ رو رہی تھیں۔ حارث سے التجا کی کہ وہ عمارہ سے ملنا چاہتی ہیں۔ عمارہ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ دل کا حال کہنا چاہتی ہیں ان سے۔

حارث نے بہ مشکل ماں کو سنبھالا اور سمجھایا۔ ”میں عمارہ آنٹی کے پاس جاؤں گا۔ انہیں بتاؤں گا آپ کے متعلق۔“ ماہ پارہ مطمئن ہو گئیں لیکن حارث دل ہی دل میں پریشان تھا کہ وہ کس طرح عمارہ آنٹی کے گھر جائے گا۔

☆☆☆

آج پھر حارث نے زیر شاہ کے ہمراہ قی کو دیکھا۔ حارث سے برداشت نہیں ہوا تو وہ اُفق کے پاس آیا اور پوچھا۔

”یہ کون ہے؟“ حارث شاید اپنے غصے پر قابو نہیں پاسکا تھا اس لیے اپنا ٹیپر لوڑ کر بیٹھا۔ ”کون ہے یہ شخص اور کیوں تم ہر وقت اس کے ساتھ نظر آ رہی ہو مجھے۔“ زیر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ آپ کون ہیں اور کس رشتے اور تعلق سے مجھ پر یہ حق جتلا رہے ہیں۔“ اُفق اعتماد سے بولی۔

”جیسے تم جانتی ہی نہیں۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔“ حارث غصے سے بولا۔ ”کیسے کیسے لوگ آ جاتے ہیں آپ کے ہوٹل میں..... اس شخص کی بیوی مر گئی ہے اور یہ دوسری عورتوں کو اپنی بیوی کہتا پھر رہا ہے۔“ اُفق نے ویٹر کو بلا کر کہا۔ ”ایکسکیوز می سر..... پلیز آپ یہاں سے جائیں۔“ ویٹر نے حارث سے کہا۔ ”تم کیا کہہ رہی ہو، اندازہ ہے تمہیں؟“ حارث چلا کر بولا۔

”ذہنی مریض کہہ رہی ہوں آپ کو..... یہی سننا چاہتے تھے ناں آپ۔“ اُفق نے نرمی سے جواب دیا۔ ”پلیز سر چلے جائیں یہاں سے ورنہ ہمیں پولیس کو انفارم کرنا پڑے گا۔“ ویٹر نے کہا تو حارث غم و غصے سے ہوٹل سے نکل آیا۔ زیر شاہ نے حیرانی سے اُفق کو دیکھا۔

”پاگل تھا بے چارہ..... تعلق ہے اس کا میری فیملی سے..... لیکن اتنا بھی نہیں کہ مجھ سے سوال جواب کرے آ کر..... بہر حال تم اپنا پروگرام ڈسکس کر رہے تھے مجھ سے تو میرا ارادہ یہی ہے کہ معنی اسی ہفتے رکھ لیتے ہیں۔“ اُفق، زیر شاہ سے بولی۔

”یہ دیکھو انگوٹھی..... پسند ہے تمہیں.....؟“ زیر شاہ مسکرا کر بولا۔ اُفق نے مسکراتے ہوئے انگوٹھی پہن

لی اور کہا۔

”بہت پیاری ہے، تمہاری محبت نظر آرہی ہے اس میں۔“ زیر شاہ نے محبت سے اُفق کو دیکھا۔

”تم میرا بہت بڑا سہارا بنے ہو زیر شاہ۔ اچھے دوستوں کا ساتھ ہو تو انسان مشکل وقت اور حالات دونوں کا بہ آسانی مقابلہ کر لیتا ہے۔ نہ جانے تم میری زندگی میں کیسے آگئے اور پھر یک دم اتنے اہم ہو گئے۔ میں تمہاری آمد کا خیر مقدم کرتی ہوں۔ بے فکر رہو میں تمہیں کبھی مایوس نہیں کروں گی۔ جب تک ہماری دوستی کسی رشتے سے منسلک نہیں ہوگی، میں تمہارا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتی۔“ اُفق نرمی اور محبت سے بولی۔ زیر شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ اور محبت تھی۔

☆☆☆

عاصمہ اور ساجدہ ماہ پارہ کے پاس تھیں۔ ماہ پارہ گم صم سی بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ حادثہ فکر مندی سے ایک طرف بیٹھا تھا۔

”ایسا کب تک چلے گا حادثہ..... تم شادی کا فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے..... تمہارے گھر اور بچوں کو عورت کی ضرورت ہے حادثہ..... خاص طور پر تمہارے بچوں کو ماں کی ضرورت ہے۔ ابھی بچے چھوٹے ہیں کسی کے ساتھ بھی ایڈجسٹ کر لیں گے۔ زیادہ وقت کا لو گے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔“

عاصمہ نے حادثہ کے چھوٹے بیٹے کو دو اپلائی پھر اسے بستر پر لٹاتے ہوئے بولی۔ ساجدہ نے حادثہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ حادثہ نے غصے سے ساجدہ اور عاصمہ کو دیکھا۔

”ہم جانتے ہیں حادثہ کہ عروہ کا غم تمہارے لیے جان لیوا ہے۔ اس اچانک حادثے نے تمہیں توڑ ڈالا ہے لیکن یہ بھی مت بھولو کہ تمہیں اور تمہارے گھر کو سمیٹنے کے لیے ایک عورت کی ہی ضرورت ہے۔“ عاصمہ نے حادثہ کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

”مجھے نہیں کرنی شادی..... اور پلےز آپ لوگ بار بار مجھے شادی کے لیے نہ کہیں، نہیں کرنی مجھے شادی.....“ عاصمہ اور ساجدہ چپ سی ہو گئیں۔

”وقت کے ساتھ ساتھ تم عروہ کی محبت کو بھول جاؤ گے اس کی جدائی کو برداشت کرنا سیکھ لو گے لیکن تب تک بچے اتنے بڑے ہو جائیں گے کہ تمہارے ساتھ کسی کو برداشت نہیں کریں گے۔ کم سے کم امی کی ہی فکر کر لو..... امی کا حال دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ بالکل ہی گم صم سی ہو گئی ہیں۔ اس صدمے نے تو امی کو بھی توڑ کر رکھ دیا ہے۔“ عاصمہ تھوڑا ٹھہر کر بولی۔

”صدمے نے نہیں عروہ کی سازشوں، چال بازیوں نے امی کو اس حال تک پہنچایا ہے۔ بہت ہی اچھی، بہت پیاری بیابہ کر لائی تھیں ناں آپ لوگ۔ قطرہ قطرہ زہر دے رہی تھی وہ امی کو..... تاکہ امی مرجائیں اور وہ میرے ساتھ من مانی کی زندگی گزار سکے۔“ حادثہ جیسے پھٹ پڑا۔ عاصمہ اور ساجدہ کا منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”کیا..... کیا کہہ رہے ہو حادثہ تم؟“ عاصمہ بہ مشکل تمام بولی پائی۔

”عروہ بہت محبت کرتی تھی تم سے، امی سے۔“

”میری بات کا یقین نہیں آئے گا آپ لوگوں کو..... یہ بلڈ رپورٹس ہیں یہ دیکھیں۔“ حارث نے فائل اٹھا کر عاصمہ اور ساجدہ کو دکھا..... عاصمہ اور ساجدہ گنگ رہ گئیں۔

”امی کو اس حال میں پہنچانے والا کوئی اور نہیں، میں ہوں، میں۔“ حارث دکھ اور صدمے سے ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔ حارث رونے لگا۔

”نہیں دیکھی جاتی مجھ سے امی کی یہ حالت۔ میں اتنا غرق ہو گیا تھا عروہ کی محبت میں کہ عروہ کو سمجھا ہی نہیں، میں نے۔ سمجھتا بھی کیسے..... عروہ ہر وقت جان نثار رہتی تھی مجھ پر اور مجھے لگتا تھا ایک بیوی کا اس سے اچھا روپ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اتنا مگن ہو گیا تھا کہ میں اس میں..... لیکن مجھے کیا معلوم تھا اندر سے اتنی گھناؤنی اور زہریلی ہوگی وہ کہ میری ماں کو ہی مارنے کی کوشش کرے گی۔ شاید اس کی موت اسی طرح لکھی تھی اگر وہ ایسے نہ مرتی تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے مار دیتا۔“ حارث کے چہرے پر اتنا غصہ اور نفرت تھی کہ عاصمہ اور ساجدہ دہل گئیں۔ ماہ پارہ آہستہ آہستہ بڑبڑا رہی تھیں۔

”حسین اور عمارہ سے کہو..... ملنے آئیں مجھ سے۔ میں بہن ہوں ان کی..... سوتیلی ہوں تو کیا ہوا..... مجھے عمارہ سے معافی مانگنی ہے..... مجھے افق کے پاس لے چلو۔“ ماہ پارہ رونے لگیں تو عاصمہ نے ماں کے آنسو پونچھے اور حارث سے بولی۔

”کیا ایسا ممکن ہے حارث کہ افق واپس اس گھر میں آجائے۔“ حارث نے بے بسی سے عاصمہ کی طرف دیکھا۔

”کوشش کرنے میں حرج نہیں افق تمہاری بیوی ہے حارث..... تم اسے کسی نہ کسی طرح رضا مند کر کے واپس گھر لا سکتے ہو، یہ تمہارا حق ہے۔“ ساجدہ نے حارث کو حوصلہ دیا۔

☆☆☆

عمارہ اپنے گھر میں عاصمہ، ساجدہ اور حارث کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

”آج اتنے عرصے کے بعد کیسے یاد آ گئی تمہیں ہماری۔“ عاصمہ اور ساجدہ جیسے شرمندہ سی تھیں۔

حارث بھی چپ چاپ تھا۔ عاصمہ اور ساجدہ نے عمارہ بیگم کو ماہ پارہ کی بیماری کے بارے میں بتایا۔

عمارہ بیگم نے عروہ کی موت کا افسوس کیا۔ حارث نے عمارہ بیگم سے معافی مانگی۔ حارث اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ وہ رو دیا۔ عمارہ بیگم کا دل پہنچ گیا۔ انہوں نے حارث کو گلے سے لگا لیا۔ عاصمہ اور ساجدہ نے افق کو لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ عمارہ بیگم کے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔

”افق تو حارث کی ہی امانت ہے۔ وہ جب چاہے لے جائے۔ ویسے بھی بیٹیاں تو کسی بھی حال میں گھر میں نہیں رکھی جاتیں لیکن اگر وقت انہیں گلے میں لٹکا دے تو وہ گلے سے نوج کر پھینکی نہیں جاتیں۔“ عمارہ

بیگم نے کہا تو..... حارث نے ایک بار پھر اپنے کیے کی معافی مانگی۔

”اُفق جاب کر رہی ہے۔“ عمارہ نے اُفق کے بارے میں بتایا۔ حارث یہ بات جانتا تھا جبکہ عاصمہ اور ساجدہ کے لیے اُفق کا یہ روپ نیا تھا۔ عمارہ نے اُفق کو فون کر کے گھر بلایا۔ اُفق کے لیے حارث، عاصمہ اور ساجدہ کی آمد حیرن کن تھی۔

”حارث تمہیں لینے آیا ہے۔“ عمارہ نے اُفق کو بتایا۔

”کیوں لینے آیا ہے وہ؟“ اُفق نے پوچھا۔

”مجھے معاف کر دو اُفق..... میں تمہیں سمجھ نہیں پایا تھا۔“ حارث کمزور سے لہجے میں بولا۔

”معافی تو شاید مجھے مانگنی چاہیے کہ میں تم لوگوں کے معیار پر پوری نہیں اُتری..... نہ شکل سے نہ عقل سے اور دان جہیز کے معاملے میں۔ تم کیوں معافی مانگ رہے ہو مجھ سے۔“ اُفق طنزیہ انداز میں بولی۔

”دیکھو اُفق تم آگے پڑھنا چاہتی تھیں اور میں نے تمہاری اس خواہش کو رد کیا۔ اگر میں تمہاری اس معمولی سی خواہش کو پورا کر دیتا تو آج میرا اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا ہو گیا۔“

”معمولی سی خواہش..... تمہارے لیے تھی میری وہ خواہش معمولی لیکن میرے لیے میری پوری زندگی کا خواب تھی۔ میرے جینے کا مقصد تھی اور وہ آج میں نے بنا تمہارے سہارے کے پایا ہے۔ لیکن آج تمہیں میرے سہارے کی ضرورت ہے..... تو تم جھک کر چلے آئے..... تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ تم آؤ گے اور میں تمہارے ساتھ چل پڑوں گی۔ بھول ہے تمہاری..... اب میں یہاں بھی کسی پر بوجھ نہیں ہوں حارث..... جو تمہارے انتظار میں اور بھی جوگ لے لیتی۔ سنبھال لیا ہے میں نے خود کو..... وقت کے تھپڑ کھا کر ہی سہی..... بہت دیر سے ہی سہی..... سمجھ لی میں نے زندگی کی لالچ..... عورت کی ہر خواہش بے نام اور بیکار ہوتی ہے کیونکہ زمانے کی نظروں میں اسے صرف گھرتک رہنا چاہیے لیکن آج یہ وقت نے ثابت کر دیا تم پر کہ عورت کے بغیر مرد ادھورا اور نامکمل ہوتا ہے۔ اس کا سب کچھ نامکمل ہوتا ہے۔ تم جس آس میں میرے پاس آئے ہونا..... خالی ہاتھ لوٹ جاؤ واپس.....“ اُفق بے رحمانہ انداز میں بولی۔

”اُفق تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ تم مجھے نہیں تو امی کو معاف کر دو۔“ حارث نے تڑپ کر کہا۔

”تم جانتے ہو حارث کہ خالہ نے ہماری شادی کیوں کی تھی۔ تاکہ مجھ ناکارہ کے ذریعے رشتوں کی زنجیر میں ڈرائیں ڈال سکیں۔ میں جذباتی پن میں سب کچھ کہہ جاتی تھی اور خالہ وہی باتیں ماموں کو جا کر بتاتی تھیں۔ میری بے وقوفیوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے خالہ نے، اب کس بات کا ملال ہے انہیں۔ ہو گیا وہ جو وہ چاہتی تھیں۔ عمار، عینا کے ساتھ الگ تھلگ پڑا ہے، ہم سے ملنے تک نہیں آتا۔“

”تو ماموں کون سامی سے ملنے آتے ہیں۔“ حارث بے بسی سے بولا۔

”ماموں، ممائی بھی امی سے حد درجہ بدگمان ہو چکے ہیں۔ دن رات یاد کرتی ہیں امی..... ماموں کو خالہ کو..... دراصل انہیں لگتا تھا کہ وہ سوتیلی ہیں۔ بہن، بھائیوں نے کاٹ کر پھینک دیا انہیں۔ اسی چکر میں انہوں

نے ایک دوسرے سے سب کو کاٹ دیا لیکن الگ تھلگ اب بھی وہی ہوئی ہیں۔ ہمارا برا بھلا تعلق تو ہے ماموں سے۔“ افق نے جلتا یا تو حارث کو دل ہی دل میں افق کی دلیل کو مانا پڑا۔

”دیکھو افق جو ہوا ہم اس پر پشیمان ہیں شرمندہ ہیں، غلطیاں تم نے کی ہیں تو ظلم ہم سے بھی ہوئے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اور حارث اب ایک راستے پر نہیں چل سکتے۔“
عاصمہ، افق کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

”اس کا مطلب یہی ہے۔ حارث اور میں ایک راستے پر نہیں چل سکتے۔ حارث بہت خوب صورت، ویل ایجوکیٹڈ، اپنی ماں کا لاڈلا اور قیمتی بیٹا ہے۔ میں اینٹ، پتھر..... بھلا کیسے ہمارا ایک راستہ ہو سکتا ہے۔“ حارث، عاصمہ اور ساجدہ مایوس ہو گئے ہیں۔

”ٹھیک ہے اب تمہیں موقع ملا ہے تو تم اپنی من مانی کی زندگی گزارو لیکن یہ مت بھولو تم اب بھی میرے نکاح میں ہو۔ تم کسی اور شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتیں۔“ حارث جاتے جاتے بولا۔
افق نے حارث کی اس بات پر..... دکھ اور افسوس سے سوچا۔
”یہی سچی سچی تمہیں اس مقام پر لے کر آئی ہے حارث۔ تم جانتے ہی کیا ہو عورت کے بارے میں۔ بہتر ہے تم کچھ دن اور وقت کے دھکے کھا کر اس فرق کو جان لو۔“

☆☆☆

عمارہ..... نے جب سے ماہ پارہ کے متعلق سنا تھا بے چین ہو گئی تھیں۔ ماہ پارہ سے ملنے کو بے قرار ہو گئی تھیں لیکن افق کی دل آزاری کی وجہ سے ماہ پارہ سے مل نہیں سکتی تھیں۔ عمارہ نے بہت چاہا کہ افق کو حارث کے لیے رضا مند کر سکیں لیکن نہیں کر پائیں۔

☆☆☆

حارث نے آج پھر افق کو زبیر شاہ کے ساتھ شاپنگ کرتے دیکھا۔ دونوں آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ حارث سے برداشت نہیں ہوا۔ حارث یہی سمجھا کہ دونوں کا آپس میں کوئی ریلیشن بن رہا ہے۔ حارث اسی سلسلے میں عمارہ سے ملنے گیا کہ انہیں افق کے متعلق بتا سکے۔ پوچھ سکے کہ آخر افق چاہتی کیا ہے۔

”میں افق کو رضا مند کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ حارث وقت لگے گا اسے۔“ عمارہ بیگم نے کہا۔
”آپ کچھ نہیں کر سکتیں آئی..... ہمیشہ افق نے جو چاہا وہی کیا ہے۔ کب آپ کی مرضی مانی ہے اس نے۔“
”اس کی ایک ہی ضد تھی حارث جو پوری ہو گئی اب اس کی کوئی ضد نہیں۔ آہستہ آہستہ وہ رضا مند ہو جائے گی۔“ حارث اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پایا تو بولا۔

”یہ تو آپ کہہ رہی ہیں نا..... کہ اس کی کوئی ضد نہیں کوئی وجہ نہیں، وہ مان جائے گی..... کیسے مانے گی وہ..... وہ تو کسی اور کو پسند کرتی ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم حارث؟“ عمارہ بیگم کا جھکا لگا۔

”ٹھیک کہہ رہا ہوں آنٹی میں..... آپ تو گھر میں رہتی ہیں آپ کو کیا معلوم کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔“
 اُفتخ آفس سے آئی تو حارث اور امی کو باتیں کرتا دیکھ کر باہر ہی رک گئی۔ حارث کے الفاظ اُفتخ کے کانوں میں پڑے۔

”میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے آنٹی..... اسے زیر شاہ کے ساتھ۔“ حارث جذباتی پن سے کہتا چلا گیا۔ ”ہر وقت وہ اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ کبھی ہوٹلنگ کرتے ہوئے، کبھی شاپنگ کرتے ہوئے۔ کیا یہ سب اسے زیب دیتا ہے۔ اسے نہیں معلوم وہ میرے نکاح میں ہے۔“
 ”میری بیٹی پر الزام لگانے سے پہلے حارث کم سے کم تم تصدیق تو کر لیتے۔ آنکھیں جو دیکھتی ہیں وہ وہی کچھ نہیں ہوتا جو ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔“

عمارہ بیگم غصے اور افسوس سے بولیں۔
 ”زیر شاہ سے ابھی کچھ دن قبل ایبہا کی مکلفی ہوئی ہے۔“ حارث شاکد رہ گیا۔
 ”اور جلد ہی میں شادی کر رہی ہوں ایبہا کی۔ بہت افسوس ہوا مجھے یہ جان کر کہ تم ابھی بھی اُفتخ کے متعلق ایسی سوچ رکھتے ہو۔ اس نے اپنی زندگی برباد ضرور کی تھی لیکن کسی شخص کے پیچھے نہیں، اپنی خواہش کے حصول کی خاطر۔“ حارث شرم سار سا ہو گیا۔

”ٹھیک ہے تم اس پر حق رکھتے ہو لیکن الزام نہیں لگا سکتے اس پر..... اب میں اُفتخ پر ذرا بھی دباؤ نہیں ڈالوں گی۔ اُفتخ اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرے گی۔“
 حارث کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے کہ اپنی بات واضح کر سکے۔ اُفتخ نے کمرے میں داخل ہو کر حارث کو جن نظروں سے دیکھا حارث سمجھ گیا کہ وہ سب کچھ سن چکی ہے۔ حارث تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

زندگی کا پہیہ یونہی چل رہا تھا کہ ایک روز خبر آ گئی کہ ماہ پارہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہ کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند جا سوائیں۔ عمارہ، حسنین خالدہ اور تنزیل سبھی ماہ پارہ کے گھر پہنچے جہاں صف ماتم بچھی تھی۔ حارث پاگلوں کی طرح رو رہا تھا۔ اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے لوگوں کے ہجوم میں رل رہے تھے۔ نہ عاصمہ کو ہوش تھا نہ ساجدہ کو۔ حارث کی حالت تو دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔

اُفتخ کو آفس میں ایبہا نے فون کر کے ماہ پارہ کی موت کی اطلاع دی۔ اُفتخ اس خبر پر شاکد رہ گئی۔ حالات کیسے بھی سہی وہ خود کو روک نہیں پائی اور حارث کے گھر پہنچ گئی۔ جہاں جنازہ اٹھنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ ماہ پارہ کو دیکھ کر اُفتخ کا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ رونے لگی۔ حارث کو نہ اپنا ہوش تھا نہ بچوں کا۔

اُفتخ کتنے عرصے کے بعد اس گھر میں آئی تھی۔ اسے سارے منظر یاد آنے لگے۔ گزشتہ ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ حارث کے دونوں بچوں کو دیکھ کر اُفتخ کا دل کھل گیا۔ اس نے دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیا اور بے اختیار رونے لگی۔

کب چاہا تھا اس نے کہ وقت اس صورت حال پر لے آئے گا اسے۔ خالہ کیسے اچانک بستر پر پڑیں اور زندگی سے ناتا ہی توڑ لیا۔ وہ سب کے لیے ملاں چھوڑ گئی تھیں۔ تین دن سب کے ماہ پارہ کے گھر میں ہی گزرے۔ سوم کے بعد سب نے جانا شروع کر دیا۔ اُفتخ بھی جانا چاہتی تھی لیکن حارث نے اُفتخ کو روک لیا۔

”ایک بات کا جواب دیتی جاؤ اُفتخ..... پھر چاہے چلی جانا۔ زندگی میں بہت سے لوگوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی، بہت سے لوگوں نے تمہاری حق تلفی کی۔ جب تم ان لوگوں کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو، انہیں معاف کر سکتی ہو تو مجھے کیوں نہیں۔“

اُفتخ نے چونک کر حارث کو دیکھا۔ وہ بوجھل اور بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔

”میں تمہارا سہارا نہیں بنا اُفتخ۔ تم تو سہارا بن سکتی ہو میرا، ساتھ دے سکتی ہو میرا۔“ حارث شکستہ لہجے میں بولا۔

”میں نے اپنی منزل بھی پالی اور جینے کا مقصد بھی ڈھونڈ لیا لیکن عورت کی اصل منزل اس کا گھر اور جینے کا مقصد اس کی گریہ ہستی اور بچے ہی ہیں۔ کامیاب اور عظیم عورت وہی ہے جو اپنی گریہ ہستی کے ساتھ اپنے شوق کی تکمیل کرے۔ اپنے گھر کو چھوڑ کر کوئی عورت مکمل نہیں ہوتی۔ میں حارث کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی تو پھر سے ادھوری ہو جاؤں گی۔“

اُفتخ نے دل ہی دل میں سوچا اور حارث کو معاف کر دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کا گھر پر انتظار کروں گی۔“ اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔



محبت کے سوا

میری زندگی ہمیشہ حقوق و فرائض نبھاتے گزری کبھی اس بات کا احساس ہی نہیں ہوا کہ کوئی مجھ سے ایسی محبت کرے کہ مجھے اپنی زندگی پر رشک آئے..... اگر کبھی یہ احساس جاگا بھی تو چاروں طرف مسائل اور پریشانیاں ہی تھیں۔ صہیب کو اتنی فرصت ہی نہیں تھی کہ وہ مجھ سے محبت جتانے میں وقت ضائع کرتے..... مجھ سے زیادہ صہیب پر ذمے داریوں کا بوجھ تھا۔

یہ بھی کوئی اتفاق ہی تھا، میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی اور صہیب سب سے بڑے تھے۔ ابو امی کا انتقال ہو چکا تھا۔ بڑے بہن بھائیوں نے جیسے بھی میری پرورش کی میں نے احسان مانا۔ ہمیشہ تابعدار رہی اور اس احسان کو ہمیشہ ان لوگوں کی نوکری کے عوض نبھاتی رہی۔ بھائیوں نے جلد ہی میرے فرائض کی ادائیگی کر کے مجھ سے جان چھڑائی اور صہیب کے ساتھ رخصت کر دیا۔

صہیب کوئی اجنبی نہیں تھے میری خالہ کے بیٹے تھے مگر بہت کم آنا جانا ہوتا تھا صہیب کا ہماری طرف..... ہمیشہ لیے دیے رہنے والے اس شخص کو میں جب بھی دیکھتی تو میرے من میں کوئی چھوٹی سے شرارت گدگداتی..... میرا بھی جی کرتا کہ صہیب میرے منگیتر ہیں..... زیادہ نہ سہی پسندیدگی کا کم از کم نظروں ہی نظروں میں اظہار تو کریں لیکن صہیب کی طرف سے کبھی مجھے ایسا کوئی رسپانس نہیں ملا اور میں ہمیشہ مایوس ہو جاتی۔ میں کافی رومینک اپنے خیالوں میں رہنے والی لڑکی تھی۔ جب بھی میرے اندر یہ خواہش گدگدی لیتی تو میں یہ سوچ کر خود کو بہلاتی..... صہیب مجھ سے چھ سات برس بڑے ہیں اس لیے خود کو میچور ظاہر کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ پھر میں صہیب کی بیوی بن کر ان کے گھر میں آ گئی۔ ظاہر ہے میرے بھی ہر لڑکی کی طرح دل میں دبے دبے ارمان تھے..... لیکن کون نکالتا وہ ارمان..... ماں، باپ بچپن میں ہی چل بے تھے اور جس شوہر کے پاس میں بیوی بن کر آئی اس پر ذمے داریوں کا لاتنا ہی بوجھ تھا۔

صہیب چار بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اور سب سے بڑے تھے۔ خالو اس دنیا میں نہیں تھے اور خالہ اکثر ہی بیمار رہا کرتی تھیں۔ خالہ کے گھر کا خرچہ صہیب کی آمدنی سے چل رہا تھا۔ یہ ماننی ہوں خالہ روایتی ساسوں

کی طرح نہیں تھیں۔ مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں ایسا ہی پیار جیسا اپنی چار بیٹیوں سے کرتیں۔ میری ہر ضرورت کا بھی خیال رکھتیں۔ صہیب اپنی زمینداری میں مجھے بھول چکے تھے یا شاید مطمئن ہو گئے تھے کہ میں اس رشتے سے خوش ہوں۔ گھر میں سب میرا خیال رکھتے ہیں اور میں خوب اچھی طرح ٹھل مل گئی ہوں۔ صہیب شاید اس لیے بھی محتاط رہتے تھے کہ چار جوان بہنیں گھر میں تھیں اور گھر دو کمروں پر مشتمل تھا۔ چاروں بہنیں تعلیمی مراحل سے فارغ ہوتی گئیں اور اپنے، اپنے گھروں کو سدھارتی گئیں۔ چاروں نندوں کے رخصت ہونے کے بعد کچھ ہی عرصہ خالہ حیات رہیں اور پھر وہ بھی چل بسیں۔ اس دوران میرے بھی تین بچے ہو گئے تھے۔ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں..... دانیال، نازش اور نیہاں میرے تینوں بچوں میں میری جان تھی۔ صہیب بھی بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ میں بچوں کو پا کر خود کو یکسر بھول چکی تھی۔ بس اب مجھے اور صہیب کو بچوں کے بہتر مستقبل اور اچھی پرورش کی دن رات لگن تھی۔

میں شوہر کی معقول آمدنی سے گھر کر ہر طرح سے منج کر لیا کرتی لیکن روز بروز بڑھتی مہنگائی، بچوں کے مہنگے اسکولوں کی فیس اور ٹیوشن کی فیس، دین کا خرچہ بچوں کی دیگر ضروریات وغیرہ ان سب میں ان کی لگی بندھی آمدنی..... بیس دن میں ہی ختم ہو جاتی۔ زمینوں سے بھی اب پہلی جیسی آمدنی نہیں آ رہی تھی۔ نندوں کی شادیاں کرنے کے لیے زمین بیچنی بھی پڑی تھی۔ صہیب کو معلوم تھا میں فضول خرچ عورت نہیں ہوں اور مجھے بھی معلوم تھا صہیب ایک، ایک پائی گھر میں لے کر آتے ہیں۔ ان کے نہ یار دوست ہیں اور نہ ہی سگریٹ، پان کے مشاغل..... اس لیے ہمارے گھر میں وہ روایتی جھگڑا کبھی نہیں ہوا جو عموماً اس دور کی روایت بن چکا ہے۔ صہیب پارٹ ٹائم بھی جاب کرنے لگے تھے۔ میں نے بھی سلائی وغیرہ شروع کر دی تھی۔ کم سے کم میں اپنے اور بچوں کے کپڑے خود سی لیا کرتی تھی۔ زندگی کی گزر بسر چل رہی تھی۔ روشن مستقبل کے خواب، ہم دونوں کی آنکھوں میں تھے ہمارا خیال تھا دانیال جب پڑھ لکھ جائے گا تو ہمارے سارے ادھورے خواب مکمل ہو جائیں گے۔ دو کمروں کا چھوٹا سا گھر جس کے بارے میں ہم سوچتے تھے کہ ہم سے بڑا کر لیں گے..... فرنیچر ہوگا، گاڑی ہوگی اور نہ جانے کیا کچھ..... پھر میں اور صہیب اپنے خوابوں پر ہنستے اور روز رات کو مٹی کے گھر وندوں کی طرح خواب بناتے اور توڑتے..... ہم دونوں کی زندگی اور اس سے وابستہ ہر خوشی بچوں سے مربوط تھی۔

ہم دونوں اپنی طرف سے بچوں کو ہر خوشی دینے کی ہر وقت کوشش کرتے لیکن کبھی کوئی خواہش بچوں کی پوری نہیں کر پاتے تو میں گھٹنوں اداس رہتی جبکہ وہ بچوں کو صبر کرنے کی تلقین کرتے۔ وقت یوں ہی گزر رہا تھا اور مجھے معلوم ہی نہیں ہوا کہ کب میرا دانیال اتنا حساس اور سمجھ دار ہو چکے بن گیا۔ مجھے اس بات کا احساس اس روز ہو جب دانیال اپنے بابا کے ساتھ عید کی نماز پڑھ کر آیا۔ میں نازش اور نیہاں کو تیار کر چکی تھی۔

”ماما آپ تیار نہیں ہوئیں ابھی تک؟“ دانیال نے آتے ہی پوچھا۔

اس عید پر بھی ہمیشہ کی طرح چاروں نندوں کی دعوت تھی۔ ظاہر ہے صہیب ہی ان لوگوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ ہم دونوں کے علاوہ ان کا میکے میں تھا ہی کون..... ہر عید تہوار پر صہیب اچھی سی دعوت کا انتظام کرتے

تھے اور سچی بات تو یہ تھی کہ مجھے بھی یہ سب کر کے خوش اور دلی سکون ملتا تھا۔ عید کا سارا دن بچن اور گھر کے کاموں میں ہی گزر جاتا۔ کبھی صہیب نے اس بات کا احساس ہی نہیں دلایا تھا کہ مجھے بھی تیار ہونا چاہئے۔ خود صہیب بھی عید کی نماز پڑھ کر کپڑے تبدیل کر لیا کرتے تھے۔

”ماما آپ نے عید پر کپڑے سے ہیں تو پہنے کیوں نہیں، جائیں اور جا کر تیار ہو جائیں۔“ دانیال بھند ہی ہو گیا۔

میں نے اسے ٹالنا چاہا کہ گھر کے سو بکھیڑے پڑے ہیں اور سب مجھے ہی کرنا ہے مگر وہ نہ مانا اور زبردستی مجھے کھینچ کھانچ کر کمرے میں لے گیا۔

”فوراً ماما کے کپڑے نکالو۔“ نازش اور نیہاں سے کہا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔
 ”ماما کام تو روز ہی ہوتے ہیں لیکن عید سال میں ایک بار ہی آتی ہے، انسان کو کبھی اپنے لیے بھی وقت نکالنا چاہئے۔“

میں دانیال کی باتیں سن کر حیران رہ گئی۔ میرا چھوٹا سا بیٹا اور کتنی بڑی بڑی باتیں کر رہا تھا۔ اس وقت زیادہ بحث کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف سمجھے ہوئے میں واش روم چلی گئی جب میں نہا کر کپڑے تبدیل کر کے باہر نکلی تو گھر میں میری نندیں ان کے بچے اور شوہر بھی آچکے تھے۔ صہیب ان لوگوں کی آؤ بھگت اور خاطر مدارت میں مصروف ہو چکے تھے۔ مجھے دل ہی دل میں شرمندگی سی ہوئی اور میں نے سوچا کتنا برا لگے کا سب کیا سوچیں گے کہ میں اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی ہوں مہمانوں کو صہیب اٹینڈ کر رہے ہیں۔ میں نے جلدی جلدی بولوں میں برش مارا۔

”ٹھہریں ماما..... آپ ایسے باہر نہیں جائیں گی۔“ اسی وقت دانیال کمرے میں آ گیا۔ اس کے کہنے پر مجھے غصہ آنے لگا۔

”اب کیا مسئلہ ہے تمہیں؟“ دانیال نے پرفیوم اٹھایا اور میرے اوپر سپرے کر دیا۔
 ”ماما تھوڑی سی لپ اسٹک بھی لگائیں۔“ میں نے مصنوعی خفگی سے مسکرا کر دانیال کے سر پر ہلکی سی تھپکی دی۔

جب سے تم نئے سکول گئے ہو کافی تبدیلیاں آگئی ہیں تم میں۔“ میں نے کہا۔
 ”ماما آپ کو نہیں معلوم سب کی مدرز اور ہماری ٹیچرز لپ اسٹک، نیل پالش لگاتی ہیں، ایک میں نے آپ ہی کو دیکھا ہے جو کچھ نہیں کرتیں۔ بالکل سادہ رہتی ہیں۔“ اس کی بات پر مجھے ہنسی آگئی۔

”یہ صرف چونچلے ہوتے ہیں امیروں کے چونچلے..... سنا تم نے اور ویسے بھی اب میں بوڑھی ہو چکی ہوں۔ بوڑھی گھوڑی لال لگام ہی لگوں گی۔“

”خبردار..... اگر آپ نے کبھی اپنے لیے یہ لفظ استعمال کیا تو مجھ سے کوئی برا نہیں ہوگا آپ بوڑھی نہیں ہیں۔ پاپا نے آپ کو بوڑھا کر رکھا ہوا ہے۔“

دانیال تو چیخ ہی پڑا۔ وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا اور مین بہت دیر تک اسی جملے کی بازگشت میں کھوئی رہی۔
پھر سر جھٹک کر باہر نکل آئی۔

☆☆☆

میں جانتا ہوں میری ماما بوڑھی نہیں تھیں وہ بلکہ وہ میری فرینڈز کی مدر سے لاکھ درجہ خوب صورت اور یگ تھیں اور یہ بھی سچ ہے کہ بابا نے انہیں بالکل ہی بوڑھی اماں بنا دیا تھا۔ بابا کی زندگی میں کوئی گلیمبر ہی نہیں تھا۔ ہر وقت پیسہ کمانا اور جمع خرچ کے حساب میں ہی انہوں نے زندگی گزار دی تھی اور اب بھی اسی جوڑ توڑ میں ان کے شب و روز گزر رہے تھے۔ مجھے یاد ہے اس روز بھی جب ماما تیار ہو کر سب کے درمیان آئیں تو بابا پر سب سے پہلے ان کی نظر پڑی سب نے ماما کی تعریف کی لیکن میں نوٹ کر رہا تھا بابا نے ماما کی بالکل تعریف نہیں کی۔ ان کے لیے جیسے یہ کوئی عام سی بات تھی وہ بدستور سب سے باتوں میں مشغول رہے۔ مجھے نہ جانے کیوں ایسا لگا ماما اس چیز کو محسوس کر رہی تھیں کہ بابا نے ماما کی تعریف خاص طور پر نہیں کی۔ سب کے چلے جانے کے بعد ماما برتن دھو رہی تھیں۔ میں ان کے پاس ہی آ گیا۔ ان کی ہیلپ کرا تا رہا۔ میں نے ان سے بہت باتیں کی پھر میں نے ماما کو چائے بنا کر دی اور ہم دونوں نے صحن میں بیٹھ کر چائے پی۔

نیہاں، نازش اور بابا سوچکے تھے پھر ماما نے مجھ سے سونے کے لیے کہا۔ ان کی آنکھوں میں ایک اداسی تھی۔

”آج کی عید سب سے اچھی تھی۔“ میں ماما سے لپٹ گیا اور کہا۔

”وہ کیوں.....؟“ ماما مسکرائیں اور پوچھا۔

”آج آپ سب سے اچھی جو لگ رہی تھیں۔“ میں نے کہا۔

”کہاں سے سیکھ لیں تم نے یہ باتیں، تمہارے بابا تو بالکل بھی ایسے نہیں ہیں۔ بالکل سیدھے سادے

آدی ہیں۔“ ماما نے میرے سر پر پیار کیا اور کہنے لگیں۔

”مجھے بابا جیسا بالکل نہیں بننا۔“

پتا نہیں کیوں مجھے بابا پر غصہ آ رہا تھا۔ بس میں اتنا ہی کہہ سکا اور اندر سونے چلا گیا۔ پتا نہیں ماما کے چہرے پر کیا تاثر ہوگا۔ ضرور انہیں برا لگا ہوگا مجھے اس بات کا پکا یقین تھا کیونکہ ماما اور بابا میں کبھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی تو پھر ایک دوسرے کو برا کہنے کی نوبت ہی کیوں آتی۔

☆☆☆

دانیال کی باتیں مجھے بالکل بری نہیں لگیں..... میں سمجھتی ہوں کہ بچے ماں سے زیادہ اٹپٹ ہوتے ہیں حالانکہ صہیب بھی کوئی برے باپ نہیں تھے، وہ اپنے بچوں کی ہر ضرورت اور خواہش کا خیال رکھتے تھے پھر نہ جانے کیوں دانیال یہ کہنے لگا تھا کہ مجھے بابا جیسا نہیں بننا..... میرے لیے تو دانیال بچہ ہی تھا۔ میرا چھوٹا سا بچہ..... لیکن دانیال بیٹیوں سے زیادہ حساس تھا۔ بہت چھوٹا سا تھا تب سے رویوں کو سمجھنے لگا تھا اور پھر ایسا ہوا کہ

دانیال میرا بہت خیال رکھنے لگا۔ مجھے یاد ہے وہ بدلتے موسموں کی صبح تھی..... مجھے تیز بخار تھا میں صبح بستر سے نہیں اٹھ پائی۔ صہیب کو بھی معلوم نہیں تھا کہ مجھے بخار ہے لیکن مجھے اٹھنا تھا اور بچوں کو اسکول بھیجنا تھا میں نے بہ مشکل بچوں کو ناشتا کرا کے اسکول بھیجا پھر صہیب کو بھی دفتر جانا تھا۔ مجھے ناشتا کرا کر اور آرام کرنے کی تلقین کر کے وہ دفتر چلے گئے۔ میں نے سوچا..... کیا تھا اگر آج وہ چھٹی کر لیتے..... پھر میں نے خود کو ڈپنا..... اور سوچا..... ظاہر ہے اب وہ میری پٹی سے لگ کر تو نہیں بیٹھے رہ سکتے۔ میں ایسے ہی بستر میں لیٹی تھی کہ اچانک دانیال اسکول بیک کمر میں لٹکائے گھر آ گیا۔ میں اسے دیکھ کر حیران ہوئی وہ رو رہا تھا۔ مجھے پریشانی ہونے لگی۔

”دانیال کیا بات ہے۔ تم رو کیوں رہے ہو بتاؤ؟“ دانیال تھا کہ مجھ سے لپٹ کر روئے چلا جا رہا تھا۔ پھر دانیال نے مجھ سے جو کہا تو میں گنگ رہ گئی۔

”ماما..... سڑک پر میں نے ایک جنازہ جاتے دیکھا، مجھے لگا میری ماما مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ میں سڑک سے واپس بھاگتا ہوا گھر آ گیا۔ ماما میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔ میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ آئی لو یو ماما..... آئی لو یو.....“

دانیال میرے ہاتھ چوم رہا تھا اور مجھے نہیں معلوم میری آنکھوں سے آنسو کیوں گر رہے تھے۔ پھر سارا وقت دانیال میرے پاس رہا..... میرا خیال کرتا رہا..... دانیال میرے لیے کس قدر حساس تھا۔ دنیا میں مجھے ایسی محبت کسی سے نہیں ملی تھی جیسی میرا بیٹا مجھے دے رہا تھا اس وقت جس حالت میں وہ گھر آیا تھا اور جو پاگل پن اس کی آنکھوں میں تھا اس نے مجھے سہا کر رکھ دیا تھا۔ میرا بیٹا مجھے پاگلوں کی طرح چاہتا تھا۔ حالانکہ بچے تو میرے دو اور بھی تھے لیکن نازش اور نہال میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ دانیال کی معصوم محبت نے میرے اندر کی اس حساس عورت کو جگا دیا جو محبت کی بھوک ہوتی ہے جو تعریف کی بھوک ہوتی ہے..... جو ناز برداریوں کی بھوک ہوتی ہے اور ہر عورت ایسا چاہتی ہے۔ میں نے اپنے اندر کی اس عورت کو کب کا مار دیا تھا لیکن دانیال کی محبت نے اسے میرے اندر زندہ کر دیا تھا اور یہ مجھے اچھا لگ رہا تھا۔



جب میرا انٹر کارزلٹ آیا تو میں نے سوچا..... میں اچھے رزلٹ کے ساتھ ماما کو ایک سر پرانز گفٹ بھی دوں گا کیونکہ میں نے پورے کالج میں ٹاپ کیا تھا۔ ماما اور بابا کو میرے رزلٹ کی بہت خوشی ہوئی تھی۔ دونوں نے اپنی اپنی جگہ پر مجھے ڈھیروں دعا کیں اور پیار دیا تھا۔ ہمارے کالج نے ٹاپ پوزیشن حاصل کرنے پر ایک فنکشن رکھا تھا جس میں اسٹوڈنٹس کے علاوہ پیرنٹس کو بھی انوائٹ کیا گیا تھا۔

میں نے ماما سے کہا تھا آج وہ بہت اچھا سا تیار ہو کر آئیں تاکہ سب کو پتا چلے کہ آپ دانیال کی ماما ہیں اور پھر جب ماما اور بابا میرے کالج آئے تو مجھے دونوں کو ہی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پیارے لگ رہے تھے۔ پرنسپل نے مجھے اسٹیج پر بلایا اور میری بہت تعریفیں کیں۔ میں خوشی سے پھولا نہیں مار رہا تھا۔ میری نگاہیں اپنے پیرنٹس پر تھیں۔ دونوں بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ میری تعریفیں کرنے کے بعد پرنسپل نے

مجھے مایک دیا اور مجھے سے پوچھا کہ میں اس اچیومنٹ پر کیا محسوس کر رہا ہوں..... میں نے بس ایک ہی جملہ کہا۔
”میری کامیابی اور میری ترقی صرف میری ماما کی وجہ سے ہے۔ آج میں اس جگہ پر اپنی ماما کی وجہ سے
کھڑا ہوں۔ آئی لو یو ماما..... آئی لو یو۔“

میں نے دیکھا ماما اور بابا کے چہروں پر خوشی تھی۔ ماما کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ بہت جذباتی ہو
رہی تھیں۔ انہوں نے بہ مشکل خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ یہ وہ سر پر اترتا تھا جو میں ماما کو دینا چاہتا تھا..... سب کے سامنے
چلا چلا کر اپنی محبت کا اظہار اپنی ماں سے کرنا چاہتا تھا اور یہ سب کر کے مجھے دلی تسکین مل رہی تھی۔

☆☆☆

دانیال کا صرف یہ کہہ دینا کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں ماما کی وجہ سے ہوں۔ مجھے بالکل اچھا نہیں
لگا..... آخر صہیب اس کے باپ تھے کیا وہ اس بات سے ہرٹ نہیں ہوئے ہوں گے۔ صہیب ہی تو پیسہ خرچ کر
رہے تھے تینوں کی تعلیم پر..... اچھے سے اچھا اسکول اچھی سے اچھی ٹیوشن..... سب ان کی وجہ سے تھیں..... پھر
سارا کریڈٹ دانیال نے مجھے کیوں دیا۔ دانیال کو بالکل ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا میں بے حد گھٹی فیل کر رہی تھی اور
آخر کار مجھ سے رہا نہیں گیا..... میں نے صہیب سے کہہ ہی دیا۔

”صہیب، دانیال کو صرف مجھے کریڈٹ نہیں دینا چاہئے تھا۔ دانیال کو چاہئے تھا کہ وہ ہم دونوں کا نام
لیتا..... کیا اس نے یہ زیادتی نہیں کی۔“ صہیب نے جو کچھ کہا تھا وہ مجھے یکسر حیران کر گیا۔

”یہ تو ماں کی تربیت ہوتی ہے، اس کا فرض ہوتا ہے اولاد کو سکھائے کہ ماں، باپ کا حق ادا کرنا کیا ہوتا
ہے..... میں اپنے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہیں ہوں لیکن تم اپنے فرائض سے غافل ہو اور غافل ہی رہو گی۔“

صہیب کی بات میرے دل میں پھانس کی طرح چبھ گئی۔ اس سے تو اچھا ہوتا میں ان سے اپنے
احساسات شیئر ہی نہیں کرتی۔ یہ کیسی بات کی انہوں نے..... بالکل عجیب اور انوکھی..... کیا میں نے نہیں سکھایا
اولاد کو باپ سے محبت کرنا..... کیا یہ میرا ہی فرض تھا۔ ساری زندگی میری حقوق و فرائض کی ادائیگی میں گزری،
صہیب نے بھی کبھی شکوہ نہیں کیا اور اب کیا بھی تو کس بات پر..... میں تو الجھ سی گئی۔

☆☆☆

ماما نے مجھ سے جب بابا کی اور اپنی بات شیئر کی تو تلخ ہنسی میرے ہونٹوں پر بکھر گئی۔ جس سوال کا
جواب ماما کو نہیں مل تھا میں نے ماما کو دیا۔

”بابا ہمارے لیے کما تے ہیں اور خرچ بھی ہم پر کرتے ہیں..... لیکن ان کے پاس وقت ہی نہیں ہے
ہمارے لیے..... مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے ماما وہ صرف ہم پر انویسٹ منٹ کر رہے ہیں اور ایک دن اپنی اس
انویسٹ منٹ کا پورا فائدہ اٹھانے کے منتظر ہیں۔ زندگی میں ترقی اور آگے بڑھنے کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں
ہوتی ہیں ماما..... ایک دوسرے کا خیال رکھنا، ایک دوسرے کو اپنی محبت کا احساس دلانا..... چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو
سیلیم ریٹ کرنا دل سے..... محض دکھاوے کے لیے نہیں۔“

یہ سب کچھ نہیں ہے بابا میں..... وہ مجھے صرف ایک روبوٹ لگتے ہیں..... جو اپنے کام کرتا جا رہا ہے..... صرف اپنے ذمے کے کام..... بالکل احساس سے عاری ایک روبوٹ مشین جو محبت کو بھی حقوق اور فرائض کے پلڑے میں تولتے ہیں۔ کتنے سال ہو گئے آپ کو بابا کی زندگی میں آئے ہوئے کبھی بابا آپ کو گھمانے پھرانے نہیں لے گئے، یہی دو کمرے اور اس چھوٹے سے صحن میں آپ کے اٹھارہ سال گزر گئے اور آپ خوش ہیں ماما..... ایسے شخص کے ساتھ..... انسان اپنے لیے بھی جیتا ہے ہے ماما..... کبھی کبھی دل کرتا ہے وہ ہمارے ناز اٹھائے جو ہم سے بہت قریب ہیں، ہمارا خیال کریں، ہماری پروا کریں، ہم سے اظہار کریں، بابا میں یہ سب نہیں ہے۔ وہ خود تو روبوٹ ہیں ہی انہوں نے آپ کو بھی روبوٹ بنا دیا ہے۔“

مجھے دانیال کی باتیں بالکل اچھی نہیں لگیں، میں ساری رات روتی رہی..... مجھے صہیب سے محبت تھی اور صہیب کو مجھ سے..... کیا ہوا جو انہوں نے کبھی اظہار نہیں کیا..... ہمیشہ سے صہیب پر ذمے داریوں کا بوجھ تھا، مانگتی ہوں میرے اندر کبھی ایک نازک سی لڑکی ہوا کرتی تھی جسے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی بڑی خواہش تھی لیکن وقت کے ساتھ بہت سی چیزیں بدل جاتی ہیں۔ انسان کو اپنی سوچ بھی بدلنی پڑتی ہے اور پھر صہیب بھی تو انسان تھے۔ انہیں روبوٹ کس نے بنایا اس ذمے داریوں نے..... ان کا بھی تو دل کرتا ہو گا کوئی ان سے پیار کرے، اظہار کرے..... اور اس بات کا احساس دلائے کہ وہ کسی کے لیے زندگی میں کتنے اہم ہیں۔ تو کیا ہوا صہیب نے مجھے ایسی محبت نہیں دی، میں تو صہیب کو ایسی محبت دے سکتی تھی۔



آج ماما نے اپنے ہاتھ سے کیک بنایا تھا اور شام کے کھانے میں بھی مختلف چیزیں بنائی تھیں بریانی، قورمہ اور کسٹرڈ..... ماما خود بھی تیار ہوئی تھیں، میں نیہاں اور نازش بھی خوش تھے۔ ماما، بابا کی اینورسری..... جو تھی..... سب سے زیادہ مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ دو روبوٹ آج انسان دکھائی دے رہے تھے۔ بابا شام کو گھر آئے تو ماما نے اور ہم نے انہیں دس کیا بابا حیران ہوئے پھر کیک وغیرہ کاٹا گیا۔ بابا نے ماما کو اپنے ہاتھ سے کیک کھلایا۔ ماما کے چہرے پر خوشی تھی لیکن مجھے ایسے لگ رہا تھا کہ بابا اب بھی اپنا صرف فرض ہی ادا کر رہے ہیں۔



میرے گھر میں چند برسوں تک صرف نیہاں کی ہی سالگرہ منائی گئی تھی۔ تب خالہ بھی زندہ تھیں۔ میری چاروں نندیں ان کے بچے، میاں، ایسا لگتا تھا کہ سالگرہ صرف انہی لوگوں کے لیے کی گئی ہو۔ کیک کتنے ہی صہیب اپنی بہنوں اور بچوں کو کیک تقسیم کرنے میں لگ جاتے..... بار بار میرے دل میں خواہش جاگتی تھی کہ کیک ہم ایک دوسرے کو اپنے ہاتھ سے..... کھلائیں۔ لیکن ایسا کبھی موقع ہی نہیں آتا تھا۔ آج بیس برس کے بعد یہ موقع میں نے خود بنایا..... شاید دانیال صحیح کہتا ہے ہم دوں روبوٹ مشین بن چکے ہیں۔ مجھے ایسے ایونٹ کرنے چاہئیں جس سے بچے بھی خوش ہوں اور صہیب بھی۔ میں کمرے میں آئی تو صہیب لیٹے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔

”کیسا لگا آپ کو یہ سر پرانز.....؟“ میں نے پوچھا۔

”جب ہماری عمر تھی جب تو یہ سب چونچلے تمہیں یاد نہیں آئے اور اب بڑھاپے میں تمہیں یہ ساری باتیں یاد آ رہی ہیں۔“ صہیب عجیب سے انداز میں بولے۔

”تب تو ذمے داریوں کا بوجھ بہت زیادہ تھا آپ پر۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”تو کیا اب ختم ہو گئیں ذمے داریاں ہم پر سے۔“ صہیب نے کتاب بند کر دی اور بولے۔

”یہ ذمہ داریاں تو ساری عمر نبھانی ہیں صہیب..... کبھی کبھی انسان کو اپنا دل بھی خوش کر لینا چاہئے۔“ میں چٹخ گئی۔

”نازش انٹر میں ہے اور دانیال بی ایس سی کر رہا ہے۔ اب ہماری عمر اپنی شادی کی ساگرہ منانے کی نہیں، بچوں کی شادیوں کے بارے میں سوچنے کی ہے۔“

مجھے غصہ آ گیا اور میں پھٹ ہی پڑی۔ صہیب کو احساس ہی نہیں تھا کہ وہ مجھے کس طرح ہرٹ کر رہے تھے۔

”جس وقت عمر تھی اس وقت آپ پر بہنوں کی شادیوں کا بوجھ تھا، آج بچوں کا بوجھ ہے آپ کی زندگی میں، میں کہاں ہوں صہیب؟“

وہ مجھے دیکھتے رہے..... یہاں تک کہ میں رو پڑی اور کمرے سے باہر نکل گئی..... زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ میں نازش اور نیہاں کے کمرے میں سوئی۔ سوئی کیا ساری رات کڑھتی رہی..... دانیال صحیح کہتا ہے صہیب انسان نہیں صرف روبوٹ مشین ہیں۔ ہر چیز کو پیسے کے تناظر میں دیکھتے ہیں، ان کے لیے سب سے بڑی خوشی پیسہ کمانا ہی ہے اور کون سا ڈھیر لگا دیا تھا انہوں نے کما کما کر یا میرے لیے تاج محل بنا دیا..... وہی لگی بندھی زندگی..... وہی مہینے کے آخر میں تنگی..... کیا ان سب چیزوں نے صہیب سے احساسات ہی چھین لیے ہیں..... میں کمرے سے نکل تو آئی تھی لیکن مجھے یہ بات مارے ڈال رہی تھی کہ کن قدموں سے واپس جاؤں وہ تو اتنے سنگدل تھے کہ مجھے منانے بھی نہیں آئے..... یہاں تک کہ دن نکل گیا، نہ جانے کب وہ دفتر چلے گئے۔ میں سو کر اٹھی تو دن بھر کڑھتی رہی..... کیا ضرورت تھی مجھے یہ سب کرنے کی..... اور صہیب پر تو مجھے رہ رہ کر غصہ بھی آ رہا تھا اور رونا بھی۔

☆☆☆

رات ماما اور بابا کی سرد جنگ ہوئی ہوگی..... تبھی ماما کے چہرے پر اداسی تھی۔ ماما کو احساس ہو گیا تھا بابا واقعی روبوٹ مشین ہیں اور وہ کسی انسان کے ساتھ نہیں روبوٹ کے ساتھ ہی خوش رہ سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں، میں ماما کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بابا کو میں کیسے احساس دلاتا اس بات کا کہ وہ غلط کر رہے ہیں یہ چھوٹے چھوٹے لمحے ہی ہمیں زندگی کا احساس دلاتے ہیں اگر ہم اپنی زندگی میں سے ان لمحوں کو نکال دیں تو واقعی ہماری زندگی کسی مشین جیسی ہی ہو جائے۔

میں ماما کو اپنی بایک پر ہٹھا کر گھمانے پھرانے لے گیا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ ان کا

ڈپریشن دور ہوتا۔ ماما واقعی تھوڑا ریلکس ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

صہیب رات کو گھر آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا جس میں میرے لیے ایک قیمتی ساڑھی تھی۔
 ”یہ تمہاری ویڈنگ اینی در سری کا گفٹ ہے۔“ انہوں نے کہا۔ پہلے تو میں حیران ہوئی اور پھر یکدم
 شرمندہ ہو گئی۔ ساڑھی دیکھی تو بہت مہنگی تھی۔
 ”کیا ضرورت تھی صہیب آپ کو اتنا مہنگا تحفہ لینے کی اور میں نے تحفہ مانگا ہی کب تھا آپ سے“ میں
 اتنا ہی کہہ سکی۔

”خفے مانگے نہیں خود دیئے جاتے ہیں..... میں جانتا ہوں میں نے زندگی میں تمہارے ساتھ بہت
 زیادتیاں کیں..... حق تلفی نہیں کی ہوگی لیکن ہرٹ ضرور کیا ہوگا..... میں ان سب کی تلافی تو نہیں کر سکتا لیکن یہ سچ
 ہے اپنی مصروفیات میں، میں خود کو جیسے بھول ہی گیا تھا اور تم نے بھی تو بہت دیر بعد احساس دلایا..... اگر تم مجھے
 میری اس کوتاہی کا بہت پہلے احساس دلا دیتیں تو شاید..... اتنا ہرٹ نہ ہوتیں۔“ میں صہیب کے سینے سے لگ کر
 رونے لگی۔

”میں نے ہمیشہ آنے والے اچھے دنوں کے لیے خواب دیکھے ہیں لیکن میں نے کبھی یہ نہیں سوچا جو دن
 ہم گزار رہے ہیں انہیں بھی تو اچھی طرح سے گزارہ جاسکتا ہے۔ بہت زیادہ نہ سہی لیکن سب کچھ تو ہے ہمارے
 پاس..... لیکن زندگی میں مہلت ہی نہیں ملی یہ سب سوچنے کی، ساری عمر حقوق اور فرائض کی ادائیگی میں ہی گزر گئی۔“
 ”کیا محبت ان دونوں چیزوں کے ساتھ نہیں کیا جاسکتی؟“ صہیب کے اتنا کچھ کہنے پر میں نے صرف
 یہی کہا۔

”حقوق و فرائض بھی وہاں ہی ادا کئے جاتے ہیں جہاں محبت سانس لیتی ہو..... اگر مجھے تم سے محبت نہ
 ہوتی تو میں ہر قدم تم سے ملا کر نہ چلتا..... اپنے فرائض کو ایمانداری سے نہ نبھاتا..... اور تمہیں ترسا تا رہتا۔ یہ اور
 بات ہے کہ میں نے محبت کا اظہار نہیں کیا..... اور شاید یہی عمر بھر میرا جرم تھا۔“ صہیب نے جو کچھ کہا میں لا جواب
 ہی نہیں حیران ہی تو رہ گئی۔

☆☆☆

مجھے اتنا اچھا لگا تھا کہ میں نے دو روٹ لوگوں کو انسان ہونے کا احساس دلایا تھا۔ میرا یونیورسٹی میں
 ایڈمیشن ہو گیا تھا اور میں شہر دہاڑی سے اسلام آباد چلا گیا۔

یونیورسٹی میں میری ملاقات تانیہ سے ہوئی۔ تانیہ بہت پیاری اور معصوم لڑکی تھی، وہ مجھے اچھی لگنے لگی
 تھی۔ پہلے ہماری دوستی اور پھر یہ محبت میں بدل گئی۔ تانیہ بھی مجھے پسند کرنے لگی تھی۔ میں نے ماما کو اپنی محبت کے
 بارے میں بتایا..... پھر ماما کو تانیہ کی تصویریں بھی بھیجیں۔ ماما اور بابا میری پسند پر متفق تھے کیونکہ تانیہ اچھی فیملی
 سے تعلق رکھتی تھی..... اور تانیہ کے گھر والے مجھے پسند کرتے تھے۔ یونیورسٹی میں دو سال پر لگا کر اڑ گئے اور ابھی

میرا رزلٹ بھی نہیں آیا تھا کہ مجھے جاب کی آفرز آنے لگیں، اس کے بعد میں نے سی ایس ایس کی بھی تیاری کی اور سی ایس ایس میں بھی نمایاں پوزیشن حاصل کی تھی، اس لیے مجھے فوراً جاب بھی مل گئی تھی۔ میرے خواب پورے ہونے لگے تھے سرکاری نوکری، گاڑی، بنگلا نوکر چاکر..... سب کچھ مجھے مل گیا تھا۔ ادھر ماما، بابا کی رضا مندی کے ساتھ تانیہ کے گھر والوں نے منگنی اور پھر شادی کی جلدی مچادی لیکن میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نازش اور نیہاں کی شادی تک تو بالکل نہیں..... پھر مجھے ماما، بابا کے خواب بھی پورے کرنے تھے۔ میں نے انہیں بہت کہا تھا کہ میرے ساتھ اسلام آباد آجائیں لیکن انہیں اپنے شہر سے اتنی ہی محبت تھی جتنی کسی اولاد کو ماں کی گود سے ہوتی ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ وہیں کسی اچھے علاقے میں ایک اچھا سا گھر ماما، بابا کو لے کر دوں لیکن وہ لوگ نئے گھر سے پہلے نازش اور نیہاں کی شادی کے لیے فکر مند تھے۔ ویسے بھی اپنا گھر تو تھا ہی کچھ ماہ ہی میں، ماما نے دونوں کے رشتے طے کر دیئے ابھی شادی کی تاریخیں رکھی جانی تھیں کہ اچانک تانیہ کے ڈیڈی کی طبیعت خراب ہو گئی انہیں شدید ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ وہ اپنی زندگی سے یکدم ناامید ہو چلے تھے اور تانیہ کو رخصت کرنے کی جلدی کرنے لگے۔ ماما، بابا نے ان کی اس خواہش کا مان رکھا اور تانیہ سے میری شادی بہ عجلت نہایت سادگی سے ہو گئی۔ تانیہ میری زندگی میں آ کر بہت خوش تھی لیکن میں کھرا ہوا تھا۔ میری ساری پلاننگ ادھوری رہ گئی۔ ماما، بابا کے گھر سے نازش اور نیہاں کی شادیوں تک..... پھر ماما، بابا کو جلد از جلد حج کرانا بھی میرا خواب تھا۔ میری زندگی دو حصوں میں بٹ گئی۔ میرا وجود اسلام آباد میں تھا اور میرا دل دہاڑی میں۔



ایسا لگتا تھا کہ میں نے نیا جنم لیا ہے یا پھر صہیب کا اور میرا رشتہ ابھی وجود میں آیا ہے..... جب سے دانیال کی نوکری لگی تھی صہیب بالکل ریلیکس ہو گئے تھے۔ اب ہمیں نیہاں اور نازش کی فکر تھی لیکن یہ فکر ایسی بھی نہیں تھی جو ہمیں دن رات کھائے رکھتی۔ اب صہیب کو بھی پتا تھا اور مجھے بھی کہ دانیال نے ساری ذمہ داری اٹھالی ہے۔ جس مقام پر صہیب برسوں میں نہیں پہنچ سکتے تھے دانیال کچھ ہی عرصے میں پہنچ گیا تھا۔ اس بات کا اظہار جب صہیب کرتے تو ان کی آنکھوں میں الگ ہی چمک ہوتی۔

میں بھی اب تھک سی گئی تھی۔ بچیاں بڑی ہو گئیں سارا گھر انہوں نے سنبھال لیا تھا دو دو ملازم بھی گھر میں موجود تھے۔ صہیب ریٹائرمنٹ کے بعد زیادہ تر گھر میں رہنے لگے تھے۔ میں نے سن رکھا تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد بوڑھے لوگ صرف آپس میں لڑائی جھگڑا کرتے ہیں..... یا پھر اپنے ماضی کے قصوں کو دہراتے رہتے ہیں لیکن میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں تھا۔ صہیب میرا بہت خیال رکھنے لگے تھے۔ ہم دونوں اکثر باہر گھومنے چلے جاتے، زیادہ وقت بچپن کے جیمز کی شاپنگ میں ہی گزر رہا تھا۔ مجھے ایسا لگتا جیسے صہیب کی زندگی کا محور میں ہی ہوں..... مجھ سے بڑھ کر صہیب کے لیے کچھ نہیں ہے۔

”ایسی محبت جوانی میں دیکھنا چاہتی تھی میں آپ کی۔“ صہیب کی اتنی چاہت دیکھ کر میں نے اس بات کا

شکوہ انہی سے کیا۔

”محبت تو خیر مجھے تم سے ہمیشہ سے تھی..... یہ اور بات ہے کہ میں..... اس کا اظہار کرنے میں ناکام رہا۔“ وہ مسکرائے۔

”اس کا مطلب تو یہ ہوا صہیب صاحب اگر ہمارا بیٹا پڑھ لکھ نہ جاتا، اعلیٰ پوسٹ پر نہ ہوتا تو میں کبھی یہ دن نہ دیکھ پاتی یعنی آپ کی ایسی محبت مجھے کبھی نصیب نہ ہوتی۔“

”اب چاہے تم اسے کچھ بھی سمجھو۔“ صہیب اتنا ہی بولے اور مسکرانے لگے۔ میں چپ سی ہو گئی اور سوچنے لگی۔

دانیال ٹھیک ہی تو کہتا تھا۔ آپ انویسٹ منٹ کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا انویسٹ منٹ سے آپ پورا فائدہ اٹھائیں گے لیکن وہ دن واپس لوٹ کر نہیں آ سکتے..... صہیب صاحب جو بیت گئے۔ میں نے خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھا جو پُر سکون مسکراہٹ سجائے چائے پی رہے تھے۔



نازش اور نیہاں کی شادیوں کا مجھ پر اتنا بوجھ تھا کہ میں بتا نہیں سکتا..... لیکن یہ بات تانیہ سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھی..... اس کو تو اپنی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور اسے ہنی مون کی پڑی تھی اور میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا..... ماما نے مجھے بتایا تھا کہ نازش کے سسرال والے ڈیٹ مانگ رہے ہیں، مجھے دہاڑی آنا ہوگا۔ میں نے تانیہ کو ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے بڑی ناگواری سے انکار کر دیا۔ اس کے نزدیک دہاڑی کوئی شہر نہیں بلکہ ایک پسماندہ دیہات تھا۔ اس کی ناگواری مجھے بہت گراں گزری۔ وہ جگہ کو دیکھ رہی تھی، ایک پل کو بھی اس نے یہ نہیں سوچا کہ وہاں میرے ماما، بابا رہتے ہیں۔ کم سے کم ان سے ملنے کی چلی چلتی۔ میں اسے اکیلا چھوڑ کو خود ہی چلا گیا۔ وہ نندوں کی شادی میں شریک تو ہوئی لیکن صرف ایک دن کے لیے..... وہ پُر آسائش گاڑی میں آئی اور فوراً ہی واپس چلی گئی۔ مجھے تانیہ کی یہ حرکتیں سخت زہر لگ رہی تھیں۔ اس کی ہنی مون کی خواہش میں نے کیا پوری نہیں کی اس کے تو ماتھے پر سونبل آگئے۔ آہستہ آہستہ اس کی حرکتیں سامنے آنے لگیں۔ اس کی آئے روز کی نت نئی فرمائشیں..... میں جیسے اس سے زچ سا ہونے لگا تھا۔

آئے دن ہمارے درمیان جھگڑے ہوتے۔ تانیہ اپنے میکے جا کر بیٹھ جاتی۔ آنٹی اور اٹکل مجھ پر ہی پریش ڈالتے تو مجھے اور بھی برا لگتا اور آخر کار میں اس روز روز کی چیخ چیخ سے کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہم دونوں زیادہ دیر ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ تانیہ کی اور میری سوچ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ تانیہ زندگی کو کسی فلم کی طرح سمجھتی ہے کسی رومینک فلم کی طرح..... جس میں ہر چار سین کے بعد اک رومینک سونگ آتا ہے اور ہیرو، ہیروئن کیلئے سب کچھ کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہر وقت لیلیٰ مجنوں بن کر نہیں رہا جا سکتا۔ میں یہ باتیں تانیہ کو سمجھا سمجھا کر تنگ آ چکا تھا کہ وہ بھول جائے کہ ہم اسٹوڈنٹ لائف گزار رہے ہیں۔ تانیہ پر نہ سہی مجھ پر تو ذمے داریوں کا بوجھ تھا۔ شادی ہو جانے کے باوجود نازش کی طرف سے بے فکری نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی سسرال والوں کی آئے روز کی نت نئی فرمائشوں نے ماما، بابا کو بہت ہلکان کر دیا تھا۔ اس صورت

حال سے سب ہی متاثر تھے..... مگر تانیہ کو یہ سب کہاں نظر آنے والا تھا۔ اسے تو جیسے اپنے ہی چونچلوں سے فرصت نہیں تھی۔ اس کا یہی حل تھا کہ میں اسے طلاق دے دوں۔

☆☆☆

میرے اور صہیب کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی اور سر پر جیسے آسمان آگرا۔ نازش کی پریشانی کیا کم تھی جو دانیال کی طرف سے یہ خبر سننے کو ملی کہ وہ تانیہ کو طلاق دینا چاہتا ہے۔ میں اور صہیب پہلی ہی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچے۔ دانیال گھر پر اکیلا تھا۔ میں نے اسے گلے سے لگایا تو وہ رو پڑا۔ شاید وہ خود بھی اس فیصلے پر دل سے راضی نہیں تھا لیکن تانیہ کی ناسمجھیوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا پھر صہیب نے دانیال کو گلے سے لگایا تو وہ بولا۔

”بابا آپ بہت گریٹ ہیں۔ بہت ہی گریٹ۔ آپ نے اپنی دیگر ذمے داریوں کے ساتھ اپنی ازدواجی زندگی کو بھی بیلنس میں رکھا کبھی ماما اور آپ کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں دیکھا میں نے لیکن میں..... میں کس قدر ناکام انسان نکلا اس رشتے کو چند ماہ بھی نہیں نبھاسکا اور نہ ہی اپنے والدین کی پریشانیاں کم کر سکا۔“

”گریٹ میں نہیں تمہاری ماما ہیں جنہوں نے ہر دم خود کو مارا اور مجھ سے کبھی شکوہ تک نہیں کیا۔“ صہیب نے اس کے آنسو صاف کئے اور مسکرا کر کہنے لگے۔

”لیکن ایسا ہر بار نہیں ہوتا دانیال۔ ہر عورت خود کو نہیں مارتی۔ بیس سال تک انتظار نہیں کرتی وہ شوہر کی توجہ اور محبت کی پہلے دن سے ہی حقدار ہوتی ہے اور نہ ملنے پر بے صبری بن جاتی ہے۔“

میں نے حیرانی سے صہیب کو دیکھا۔ جو بیٹے کو سمجھا رہے تھے کہ وہ ہمارے فرائض نبھانے کے ساتھ ساتھ تانیہ کے حقوق کا بھی خیال رکھے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس محبت کو کھودے اور جب فرصت ملے پر اپنی محبت تلاش کرے تو کہیں نہ مل پائے۔

مجھے اب لگا جیسے صہیب بیٹے کو سمجھا نہیں رہے اپنے جرم کا اعتراف کر رہے تھے۔ ایسا جرم جو انہوں نے مسلسل بیس سال کیا اور جس کی تلافی وہ چند ماہ سے کرنے کی کوشش کر رہے تھے..... یعنی صہیب مجھ سے کبھی بھی غافل نہیں تھے۔ ان کے احساس کو جان کر میں اپنی نظر میں اور بھی معتبر ہو گئی۔

”تمہیں تانیہ کا خیال رکھنا چاہیے..... اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھنا چاہئے دانیال۔“

”بابا، اس کی زندگی میں کس چیز کی کمی ہے۔ میں نے تانیہ کو سب کچھ دے رکھا ہے۔ ماما نے آپ کے ساتھ مشکل وقت میں بھی سمجھوتا کئے رکھا اور تانیہ اتنی آسائشوں میں بھی خوش نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا ناں کہ ہم ایک ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ ذرا اس سے کوئی جا کر تو پوچھے اسے مجھ سے شکایت کیا ہے..... یہی کہ میں اسے ہنی مون پر نہیں لے گیا۔ مجھے اس کی برتھ ڈے یاد نہیں رہی۔ وہ جو کچھ بھی پہنتی ہے میں اس کی تعریف نہیں کرتا ہوں۔ اسے گھمانے پھرانے کا میرے پاس ٹائم نہیں ہے وغیرہ وغیرہ..... بھلا یہ بھی کوئی شکایات ہیں بابا؟“ میں اور صہیب دونوں اس کی بات پر ہنس دیے۔

”یاد ہے تمہیں دانیال، تم نے ایک روز کہا تھا یہ چھوٹے چھوٹے لمحے ہی ہمیں زندگی کا احساس دلاتے ہیں اگر ہم اپنی زندگی سے ایسے لمحوں کو نکال دیں تو واقعی ہماری زندگی کسی مشین کی طرح ہو جائے۔“

میرے کچھ یاد دلانے پر اس نے حیرت اور شرمندگی سے ہمیں دیکھا۔

”ہم چلیں گے تمہارے ساتھ تانیہ کو لینے کے لیے لیکن تم وعدہ کرو خود کو مشین نہیں بنے دو گے۔ اسے یہی چھوٹی چھوٹی مگر زندگی سے بھرپور خوشیاں دو گے۔“ صہیب نے کہا تو دانیال شرمندگی سے مسکرایا۔

صہیب کے اور میرے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی مگر یہ مسکراہٹ زندگی سے بھرپور تھی۔



پاکستانی ادبیات کا علم

نصیبیاں کھول دے میرا

مسز سراج فون پر بڑے ہی تند و تیز لہجے میں بات کر رہی تھیں آواز اتنی اونچی تھی کہ گھر کے ملازمین اپنی، اپنی جگہ پر کام کرتے ہوئے بہ آسانی سن سکتے تھے۔ بانو کی نگاہ تو کام سے زیادہ میڈم پر تھی..... وہ میڈم کے لباس اور انداز سے ہمیشہ ہی متاثر رہتی تھی..... اور کیوں نہ رہے آخر میڈم کے پاس سبھی کچھ تو تھا..... دولت، عزت، شہرت، اولاد، چاہنے والا شوہر، اسٹیٹس..... اور اب تو وہ حج پر بھی جا رہی تھیں۔

”واہ میرے مولا واہ.....“ بانو..... گا ہے گا ہے برتن صاف کرنے لگتی اور دل ہی دل میں سوچتی جاتی۔
”کہیں، کہیں تو واقعی اللہ چھیڑ پھاڑ کر دیتا ہے۔“

”مسز افتخار آپ میرے گھر آ کر تو دیکھیں پورا گھر دلہن کی طرح سجوایا ہے سراج نے..... اتنی بڑی تقریب رکھی ہے ہم لوگوں نے گھر پر کہ آپ آ کر دیکھیں گی تو واقعی دنگ رہ جائیں گی..... ارے بس رہنے دیں..... وہ بھی کوئی تقریب تھی..... یہ کیا ٹینٹ، قاتیں گلی میں لگا کر عزیز واقارب کو زردہ، پلاؤ پر ٹرخا دو۔ بھئی سراج نے تو پوری چھ ڈشز کا اہتمام کر دیا ہے..... ہاں، ہاں اپنے گھر کے لان میں ہی انتظام کیا ہے..... ارے وہ تو میں بتانا ہی بھول گئی مسز افتخار..... محفل نعت کا بھی انعقاد رکھا ہے ہم لوگوں نے، ملک کے مایہ ناز نعت خواں آرہے ہیں..... لاکھوں روپوں کا تو ان لوگوں کے آنے جانے کا خرچ ہے۔ ہاں، ہاں..... جہاز سے ہی تو آئیں گے وہ لوگ..... اب آپ کو تو معلوم ہی ہے آج کل کرائے کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ایک ساتھ پانچ چھ لوگوں کے..... پھر ان لوگوں کا معاوضہ علیحدہ..... لگ بھگ پانچ لاکھ تو اسی پر خرچ ہو جائیں گے۔“
بانو رشک سے میڈم کو دیکھنے لگی۔

”اماں پوچھ رہی تھیں مجھ سے حج پر جا رہی ہو۔ کیا تحفہ لوگی..... میں نے تو کہہ دیا صاف اماں سے خدا کے واسطے ہزار پانچ سو تو مت لائیے گا“ میرے لیے..... تو اماں ہنس کر بولیں۔

”بے فکر ہو، وائٹ گولڈ کا میکلس بنوایا ہے تمہارے لیے وہ لے کر آؤں گی..... اچھا ہے ناں.....“
سراج کے بہن بھائیوں کو بھی معلوم پڑے کہ آخر میں کوئی چھوٹے خاندان کی نہیں ہوں..... پیچھے سے ہی رئیس زادی ہوں۔“ مسز سراج قہقہہ لگاتے ہوئے بولیں۔

”اب کیا ساری باتیں فون پر ہی پوچھیں گی..... ہاں، ہاں سوٹ سب سے مہنگے ڈیزائرس سے بنوایا ہے میں نے۔“ انہوں نے مزید تفصیلات بتائیں۔

جنت بی بی کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھی مگر کان اس کے اپنی میڈم کی باتوں پر ہی لگے رہے وہ دھیمے دھیمے مسکرا رہی تھی اور اپنی دھن میں پڑھے جا رہی تھی۔

”نصیبیاں کھول دے میرا..... میں دیکھاں روضہ تیرا“

مسز سراج نے تقریباً آدھے، پون گھنٹے کی گفتگو کے بعد ایک گہری سانس لے کر فون بند کیا اور اپنا سر پکڑ کر وہیں صوفے پر بیٹھ کر بڑبڑانے لگیں۔

”نہ جانے لوگوں کے پاس کتنا فالو وقت ہوتا ہے، معلوم بھی ہے آج میرے گھر پر تقریب ہے پھر بھی پورا گھنٹا ضائع کروادیا۔“

ملازم قاسم جو اجازتی سیور لگا رہا تھا۔ میڈم کے جملوں پر دل ہی دل میں مسکرانے لگا کیونکہ ہونٹوں کو جنبش دینے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

”میرے لیے ایک گلاس پانی لے کر آؤ..... تو بہ حلق تو خشک ہو گیا۔“

مسز سراج بانو کو دیکھ کر فوراً بولیں۔ بانو دوڑ کر کچن میں رکھے ڈپنسر میں سے پانی لکانے لگی تھی، کچن میں جنت بی بی اپنی دھن میں نعت پڑھے جا رہی تھی۔

”نصیبیاں کھول دے میرا..... میں دیکھاں روضہ تیرا“

بلا لے مینوں وی درتے..... بلا لے مینوں وی درتے

میں دیکھاں روضہ تیرا..... چومیاں روضے دی جالی

جالی کرماں والی.....“

بانو سر جھٹکتے ہوئے باہر آئی اور میڈم کو پانی کا گلاس بڑی تیزی سے پکڑا دیا۔

مسز سراج وہیں کھڑے کھڑے پانی پینے لگیں۔ بانو کو دیکھ کر کچھ عجیب سا لگا..... وہ میڈم کو ٹوکنا چاہتی تھی، چند لمحوں کے بعد بولی۔

”میڈم! ایک بات کہوں آپ سے.....؟“

قاسم جو میٹری پر چڑھا بلبل لگا رہا تھا پلٹ کر بانو کو دیکھنے لگا..... میڈم ابھی بانو کی طرف متوجہ ہوئی تھیں کہ اتنے میں ڈرائیور ڈبوں کا ایک ڈھیر اٹھا کر لایا اور بولا۔

”میڈم..... یہ صاحب نے بھجوائے ہیں..... انہوں نے کہا ہے کہ رکن کر بتا دیں..... پورے ہیں یا

کچھ کم ہیں۔“

”ٹھیک ہے انہیں میرے کمرے میں رکھ دو۔ یہاں تو ابھی صفائیاں ہو رہی ہیں۔ میں آ کر وہیں دیکھ

لیتی ہوں۔“

مسز سراج جلد بازی سے بولیں اور ڈرائیور کے پیچھے پیچھے اپنے کمرے میں چل دیں۔

”کیا بات کہنا تھی تمہیں میڈم سے؟“

قاسم سیڑھی سے اتر کر بانہ کے نزدیک آیا اور پوچھنے لگا۔

”میں..... وہ میڈم سے کہنا چاہتے تھے..... میڈم چار دن کے بعد آپ حج پر جا رہی ہیں۔ کم سے کم دوپٹا تو لے لیا کریں..... اور پھر دیکھا تو نے قاسم..... میڈم کھڑے کھڑے ہی پانی پی رہی تھیں۔ کیا اللہ ایسے لوگوں کو بلاتا ہے جن کے نفس کی تربیت بھی نہیں ہے۔“ بانو بڑی معصومیت سے بولی۔

”دماغ ٹھیک ہے تیرا..... پاگل ہو گئی ہے، یہ باتیں تو میڈم کو بتائے گی..... میڈم تیری چھٹی کر دیں گی۔ اپنی تربیت اپنے پاس رکھ۔ جب وہاں سے آئیں گی ناں میڈم تو دیکھنا..... بالکل بدل کر آئیں گی۔ وہ جگہ ہی ایسی ہے۔“ قاسم نے اس کی بات سن کر بولا۔

”اللہ نے کتنا کچھ دیا ہے میڈم کو صاحب کو..... کیا سب لوگ جب حج پر جاتے ہیں تو اتنی بڑی دعوت اور اتنی ہی سجاوٹ کا اہتمام کرتے ہیں؟“

بانو حیرت سے قاسم کو دیکھنے لگی۔

”کیا تو میڈم سے جمل رہی ہے.....؟“

قاسم اس کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔

”توبہ توبہ..... میں کیوں جلنے لگی۔“

بانو کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

مسز سراج اپنے کمرے میں رکھے سارے ڈبے کھول کر دیکھ رہی تھیں جن میں غیفون کے کا مڈار سوٹ تھے۔ جب سب ڈبے کھول کر دیکھ لیے تو جھٹ سراج صاحب کو فون کیا۔

”سراج یہ آپ نے تیرہ سوٹ بھجوائے ہیں۔ پانچ آپ کی بہنوں کے چھ میری بہنوں کے۔ باقی دو سوٹ کس کے لیے ہیں؟“

جنت بی بی میڈم کے کا ندھے آہستہ آہستہ دبا رہی تھی مگر ہونٹوں پر ہلکی ہلکی جنبش سے جیسے دل ہی دل میں نعت بڑھ رہی ہو۔

”اوہ..... اچھا، اچھا..... میں بھول گئی تھی..... ٹھیک ہے۔ عاصمہ کا اور اس کی ساس کا بھی سوٹ ہے اس میں..... ہاں، ہاں..... عاصمہ ضرور یہ سوٹ پسند کرے گی۔ آخر آپ کی بیٹی ہے۔ سو نخرے بھی ہیں اس کے بھی۔ جانتی ہوں، سارے ہی سوٹ کم سے کم پانچ، پانچ ہزار کے تو ہوں گے پھر بھی..... عاصمہ جو پسند کرے گی میں اسے وہی دوں گی آخر میری اکلوتی بیٹی ہے وہ.....“

میڈم سراج نے ہنستے ہوئے فون بند کیا اور جنت بی بی سے کہنے لگیں۔

”بہت تھک گئی ہوں جنت بی بی..... ذرا اچھی طرح سے دباؤ اور ذرا بانو کو بلا کر کہو کہ یہ سب سمیٹ

لے، میں تھوڑا آرام کرنا چاہتی ہوں۔ شام پانچ بجے مجھے پارلر بھی جانا ہے۔ آخر تقریب کے لیے تیار ہونا ہے۔ ارے ہاں، قاسم..... قاسم ادھر آؤ۔“ وہ جلدی سے ان کے کمرے میں آیا تو وہ بولیں۔

”میں تو مووی میکر کو کہنا ہی بھول گئی تم نے کہا تھا کہ نہیں؟“

”جی میڈم آپ بالکل فکر نہیں کریں۔ میں نے مووی میکر سے بھی کہہ دیا تھا اور ساؤنڈ کی سیٹنگ کے لیے بھی ابھی آدمی آرہے ہیں وہ اسپیکر وغیرہ فٹ کر دیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔“

قاسم یہ کہہ کر کمرے سے چلا گیا اور مسز سراج بیڈ پر لیٹ گئیں۔ جنت بی بی آہستہ آہستہ بازو دبار ہی تھی۔ اچانک انہیں کیا سوچھی مسز سراج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”حمیرا باجی..... آپ نے نماز نہیں پڑھی؟“

”ارے یاد ہی نہیں رہا۔ کام ہی اتنے ہیں جنت بی بی دیکھ تو رہی ہوتی.....؟“ وہ خفیف سی ہو کر کہنے لگیں۔

”کام تو زندگی بھر چلتے رہیں گے..... کاموں کا کیا ہے۔ نماز نہیں چھوڑتے باجی۔“ جنت بی بی ان کی کافی اچھی اور پرانی ملازمت تھی۔ سواس کا ٹوکنا مسز سراج کو زیادہ بُرا نہ لگتا۔

”جب حج کرنے جاؤں گی تو خود بخود نمازوں کی عادت پڑ جائے گی پھر دیکھئے گا آپ..... پانچوں وقت کی نماز پڑھا کروں گی میں۔“ وہ تھوڑا سا اکتا کر بولیں۔

”انشاء اللہ، انشاء اللہ کیوں نہیں، کیوں نہیں مگر اب بھی کوشش کریں، کوئی نماز قضا نہ ہو۔ اللہ نے آپ کو اتنی بڑی جگہ پر بلایا ہے، لوگ حسرت لیے بیٹھے رہتے ہیں مگر ان کا بلا وہ ہی نہیں آتا۔ خوش نصیب ہیں آپ کہ آپ کا بلاوا آ گیا۔“ جنت بی بی مسکرا کر بولی۔ میڈم سراج کے چہرے پر ایک فخریہ مسکراہٹ پھیل گئی..... بلکہ اس میں تکبر کا عنصر شامل تھا۔

”پیسہ جو ہوتا ہے ناں جنت بی بی..... دنیا میں جنت ہے، انسان چاہے تو اس سے ہر خواہش ہر خوشی خرید سکتا ہے۔“

”نہیں حمیرا باجی..... ایسا نہیں کہتے..... اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔“

”کیا مطلب اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ آج کل کے زمانے میں حج، عمرے پر جانا آسان ہے؟ جاتا وہی ہے، جس کے پاس پیسہ ہوتا ہے۔“

”یہ تو وسیلہ ہے باجی وسیلہ..... اور وسیلہ اللہ ہی بناتا ہے۔ بہت لوگ ہیں ایسے جن کے پاس پیسوں کا ڈھیر ہے لیکن ان کا بلاوا نہیں آتا..... اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہی وہاں بلاتا ہے۔“ وہ جنت بی بی کی باتوں سے اکتا سی گئیں۔

”جانے کیسی باتیں کرتی ہوتی..... بالکل درویشوں والی..... ارے آج کل کے زمانے میں درویش ہوتے کہاں ہیں۔ سب ڈھونگی ہوتے ہیں۔“ وہ منہ بنا کر بولیں۔

”حمیرا باجی ایک بات کہوں آپ سے؟“ جنت کی آنکھوں میں حسرت اور پیاس سی چمکنے لگی۔ وہ بڑے

جذب اور عقیدت سے کہہ رہی تھی۔ ”مجھے بھی بڑی خواہش ہے روضہ رسول ﷺ کو چومنے کی خانہ کعبہ کی زیارت و طواف کرنے کی، برسوں سے اس خواہش کو دل میں دبائے پھر رہی ہوں..... آپ وہاں جائیں تو میرے لیے بھی ضرور دعا کیجئے گا..... اللہ پاک مجھے بھی بلا لے صرف ایک بار..... ایک بار..... مجھے خاکِ مدینہ چومنے کی جسارت دے دے۔ وہ رب سوہنا بہت بڑا ہے حمیرا باجی.....“ یہ کہتے ہوئے جنت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جنت کو حیرانی سے دیکھنے لگیں۔

”اتنے پیسے ہیں تمہارے پاس کہ تم حج پر جا سکو؟“

”ہاں حمیرا باجی..... میں نے تیس ہزار روپے جمع کیے ہوئے ہیں۔ میرا ہے ہی کون..... اللہ کے سوا۔ جو کچھ کماتی ہوں، اسے اکٹھا کرتی ہوں۔ آج تیس ہیں کل اور زیادہ ہوں گے پرسوں اور آخر کار میں اس مقدس سرزمین پر چلی جاؤں گی۔“ جنت اپنی آنکھوں کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

”تمہاری عمر کتنی ہے جنت بی بی؟“ اس کی بات سن کر حمیرا ناگواری سے بولیں۔

”یہی کوئی ساٹھ ستر سال.....“ وہ فوراً بولی۔

”ارے قبر میں پاؤں لٹکے ہوئے ہیں تمہارے، تمہیں تو وہاں جانے کی تیاری کرنے چاہئے۔ جب تک تمہارے پیسے اکٹھے ہوں گے تب تک تمہارا وقت ختم ہو جائے گا۔“ مسز سراج نے بڑے عجیب انداز میں کہا۔

جنت بی بی حسرت اور مایوسی سے اسے دیکھنے لگی۔

”نہیں باجی، ایسے نہیں کہتے۔ اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ وہ پیسوں سے نہیں نیٹوں بلاتا ہے، انسان کو عمر سے نہیں..... حیلوں سے، دسیلوں سے بلاتا ہے اور میری لگن وہاں جانے کی سچی ہے اور مجھے پکا یقین ہے وہ مجھے ضرور بلا لے گا۔“ جنت کچھ دیر بعد بولی۔

”انسان کو خواہش اپنی اوقات کے مطابق کرنی چاہئے۔ تیس ہزار میں تم حج تو کیا..... عمرہ بھی نہیں کر سکتیں۔ اب جاؤ جا کر بانو کو بھیجو..... یہ تحفہ پیک کروانے ہیں، جانے سے پہلے سراج اور میں سب کو سوٹ دے کر جائیں گے۔“

وہ طنز یہ انداز میں مسکرا کر کہنے لگیں۔ جنت ایک آہ سرد بھرتے ہوئے باہر چلی گئی۔ مسز سراج کے چہرے پر ناگواری اور ہلکا ہلکا غصہ نمایاں تھا۔ دل ہی دل میں سوچنے لگیں۔ ذرا دیکھو تو مجھ سے مقابلہ کر رہی ہے اوقات ہے نہیں، حج پر جائے گی اور لگی میری برابری کرنے..... اسے کیا پتا آج پیسہ ہی سب سے بڑی حقیقت ہے اور اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔“



مغل نعت سچی ہوئی تھی، ایک طرف پُر تکلف طعام کا اہتمام تھا۔ سب خواتین میں مسز سراج سفید دیدہ زیب ساڑھی میں ملبوس سب سے نمایاں اور پُر کشش لگ رہی تھیں۔ وہ ظاہری طور پر ہر لحاظ سے ایک خوبصورت اور اسماٹ خاتون تھیں۔ ان کی اپنی شادی بھی جلدی ہو گئی تھی اور اب اپنی بیٹی کی شادی بھی کم سنی میں کر دی تھی۔

عاصمہ اپنی ماں کی خوب تصویریں بنا رہی تھی پھر ماں کو پیار کرتے ہوئے انہیں سراہنے لگی۔

”مئی آج آپ سب سے منفرد، سب سے پیاری لگ رہی ہیں۔ اپنی نظر ضرور اتر والیجے گا۔“ بیٹی سے تعریف سن کر اس کی گردن غرور سے تن گئی۔ ویسے بھی آج سبھی ان کی تعریف کر رہے تھے اور ان کی قسمت پر رشک و حسد کے ملے جلے جذبات لیے ہوئے تھے۔

”مسز سراج یہ تو بتائیں۔ آپ لوگوں کی فلائٹ کب کی ہے۔“ مسز افتخار نزدیک آ کر پوچھنے لگیں۔
 ”بس کل صبح یہاں سے کراچی روانہ ہوں گے پھر اگلے دن کراچی سے جدہ۔“ انہوں نے رعونیت بھرے لہجے میں بتایا۔

”بہت بہت مبارک ہو آپ کو، اللہ پاک آپ کا جانا و عبادت کرنا قبول فرمائے۔“
 ”اللہ قبول کرتا ہے تو بلاتا ہے ورنہ وہ ایسے ہی تو نہیں بلاتا۔“
 مسز سراج بھوس چڑھا کر بولیں۔

”ہاں یہ بھی ٹھیک کہا آپ نے اچھا یہ بتائیے بیٹے کے لیے بھی کوئی لڑکی دیکھی آپ نے۔“ مسز افتخار نے کھوکھلی ہنسی کر پوچھا۔

”ارے ابھی کہاں..... اور ابھی تو ویسے بھی میرا نومی..... پڑھ رہا ہے۔ اتنی جلدی نہیں ہے مجھے بہو لانے کی البتہ بیٹی بیاہنے کی جلدی ضرور تھی مجھے..... سیانے کہتے ہیں، بیٹیوں کے فرض سے جلدی سبکدوش ہونا چاہئے ویسے بیٹے کو ہم نج پر لے کر جا رہے ہیں اپنے ساتھ۔“
 ”ارے واہ..... ماشاء اللہ..... یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے اور آپ نے بہت اعلیٰ تقریب منعقد کی ہے۔ ایک سماں سا باندھ گیا تھا۔“

مسز افتخار نے دل کھول کر ان کی اور ان کی تقریب کی تعریف کی بلکہ تقریباً تمام مہمان خواتین ہی انہیں سراہ رہی تھیں اور ان کا سرفخر سے تنا جا رہا تھا۔



”اتنا کھانا ضائع ہو گا جنت بی بی، آپ پوچھ کر بتائیں ناں میڈم سے کیا کرنا ہے اس بچے ہوئے کھانے کا؟“ ملازم پوچھنے لگے۔

”میڈم سو رہی ہیں، تم لوگ ایسا کرو اس کھانے کو دارالامان میں یا کسی دربار پر تقسیم کر آؤ۔“
 ”رات گئے ہم کہاں لیے پھریں گے اس کھانے کو۔“ وہ بیزار سی بولے۔

”جو بھوکا ہو گا وہ تمہیں مل ہی جائے گا اور وہ آدمی رات کو بھی کھالے گا ضرور اس رزق میں کسی نہ کسی کا تو حصہ ہے۔ ورنہ بچتا ہی کیوں۔“ جنت بی بی نرمی سے مسکرا کر بولی۔

”رہنے دیں جنت بی بی..... اضافی کھانے بنوائیں گے تو بچے گا ہی..... اس میں حصے داروں کی کیا بات ہے اور ویسے بھی یہ امیر لوگ کھاتے کم اور بچاتے زیادہ ہیں۔ شاید یہ بھی ان کے اسٹیٹس کی شان ہے۔“ بانو

نے کلس کراس کی بات کاٹی۔

”تم کیوں جل کلس رہی ہو، یہ کھانا بندھواؤ اور میرے ساتھ چلو..... ورنہ سارا سڑ جائے گا۔“ قاسم کے کہنے پر بانو چڑ گئی۔

”میں نہیں جا رہی تمہارے ساتھ..... اکیلے ہی جاؤ، مجھے تو میڈم پر بہت غصہ آ رہا ہے، اپنوں کو کتنے اچھے اچھے سوٹ گفٹ کیئے اور وہ بھی کون جن کے پاس پہلے ہی بہت کچھ ہے اور ہمیں ایک دوپٹا بھی نہیں دیا، کیا ہمارا حق نہیں تھا؟“ جنت مسکراتی رہی۔

”چلتی ہے میرے ساتھ یا دوں ایک ہاتھ کا۔“ قاسم جو بانو کا شوہر بھی تھا جھڑک کر بولا۔ بانو پاؤں پیچ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

”جو انسان کے نصیب کا ہوتا ہے اسے ضرور ملتا ہے۔ دوسروں کو دیکھ کر جلنا کڑھنا نہیں چاہئے۔“ جنت نے نرمی سے دونوں کو سمجھایا۔

”ایک تو جنت بی بی بھی ناں..... نہ جانے نصیب پر اتنا بھروسہ کیوں کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک نصیب ہی سب کچھ ہے۔“ قاسم کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”کم عقل جاہل عورت، نصیب ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ جنت بی بی ٹھیک کہتی ہے اور سن وہ یہ بھی کہتی ہے کہ نصیب سدا ایک جیسا نہیں رہتا، بدل بھی جاتا ہے۔“

پتا نہیں۔ ہمارا نصیب تو ہمیشہ سے ایک جیسا ہے۔ پہلے اماں ابا نوکر تھے پھر ہم نوکر بن گئے اور اب آئندہ ہماری اولادیں بھی امیروں کے جھوٹے برتن دھو کر ہی گزر بسر کریں گی۔“ بانو چڑ کر بولی۔

”شکر کرو رزق حلال تو ہے ناں..... حرام تو نہیں کھاتے۔“ قاسم اسے سمجھانے لگا۔

”تجھے بھی ناں..... جنت بی بی کا اثر پڑ گیا ہے۔ میری تو کمر دیئے ہی جواب دے رہی ہے پاسے لگا کر آئیں اس کھانے کو..... اگر نہ سڑنے والی چیز ہوتی تو پورا مہینہ آرام سے گزر جاتا ہمارا اس کھانے میں.....“

دونوں باتیں کرتے کرتے ڈرائیور کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

جناح انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر ان تینوں کو ریسو کرنے کے لیے ان کے بزنس مین دوست نے گاڑی، ڈرائیور بھیج دیا تھا جو انہیں ایئر پورٹ کے قریب ایک شاندار ہوٹل میں ڈراپ کر گیا۔ جہاں دو ڈلیکس روم میں ان کا قیام ہونا تھا۔ کمروں میں جاتے ہی وہ لوگ فریش ہوئے۔

”بشر تو بہت کہہ رہا تھا ہوٹل کے بجائے ہم اس کے بنگلے میں رکیں لیکن سچ پوچھو نا حمیرا..... اکتا گیا تھا میں تو گید رنگ سے..... اکیلار ہنا چاہتا تھا۔ اس لیے انکار کیا انہیں۔“ سراج صاحب بولے۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، حد ہو گئی تھی پورا فیصل آباد ایئر پورٹ پر چھوڑنے چلا آیا تھا۔ رشتے دار، عزیز و اقارب، دوست احباب نہ جانے کتنے لوگ تھے۔ کسی کسی سے تو میں مل بھی نہیں پائی۔“ مسز سراج بہت

آرام سے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

”میں تو کہہ رہا تھا تم سے تقریب چھوٹی سی رکھو۔ ورنہ یہ رشتے دار جان سے چنٹ جائیں گے۔ اب حج سے واپسی پر پورا جہاز بھر کر لانا ہوگا ان لوگوں کے لیے۔“
انہوں نے ناگواری سے کہا تو مسز سراج مسکرائے لگیں۔

”اچھا اب اتنے بیزار تو مت ہوں آپ..... ہم یہاں آرام کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ہاں ذرا نعمان کو فون کر کے پوچھیں کیا کر رہا ہے وہ۔“ ابھی وہ کہہ ہی رہی تھیں کہ اتنے میں دروازہ کھول کر نعمان اندر داخل ہوا اور ماں کے قریب آیا۔

”ممی میں نے آپ کے ذمے ایک کام کھایا تھا معلوم کیا اس بارے میں آپ نے؟“
”ارے چندا میں تو بھول ہی گئی۔“ ان کے کہنے پر سراج صاحب چونک کر دونوں کو دیکھنے لگے۔
”بھئی میں آپ دونوں کی وجہ سے حج پر جا رہا ہوں ورنہ میری عمر نہیں تھی کہ میں حج پر جاؤں اور حج کے ارکان میں سے اہم بات یہ ہے کہ مریض منڈوائیں اور میں..... اپنے قیمتی بال نہیں اتروا سکتا..... میں گنجا نہیں ہونا چاہتا۔“ اس کی بات سن کر دونوں ہنسنے لگے۔

”ارے بیٹا! یہ تو گھر کی بھتیجی ہے۔ چند دن کے بعد پھر آجائیں گے۔“ سراج صاحب بولے۔
”آپ جس عمر میں ہیں ناں ڈیڈی ایسا کہہ سکتے ہیں..... سوچ سکتے ہیں، ذرا میری پوزیشن پر آکر دیکھیں تو آپ کو پتا چل چلے۔ کالج میں سب دوست میرا مذاق اڑائیں گے۔“ نعمان نے بیزاری سے کہا۔
”نعمان اب یہ تو کرنا پڑے گا۔“

”نو ڈیڈ..... نو..... میں ایسا بالکل نہیں کروں گا۔ مجھے معلوم کر کے بتائیں کیا ایسا ممکن ہے میں ایک لٹ کاٹ لوں اور میرا رکن ادا ہو جائے۔“
”یہ تو کسی عالم دین سے ہی پوچھنا پڑے گا۔ ویسے تم جنت بی بی سے بھی تو کچھ پوچھ رہے تھے۔ اس نے کیا کہا تھا اس بارے میں؟“

”اوہ ممی! جنت بی بی کو تو چھوڑ ہی دیں آپ..... وہ تو مجھے اس زمین کی مخلوق لگتی ہی نہیں وہ کہہ رہی تھی۔ تم اللہ کی راہ میں اپنے یہ حقیر سے بال نہیں دے سکتے تو اور کیا قربانی دو گے..... اور یہ عبادت تو قربانی مانگتی ہے..... اپنے پیسے کی قربانی..... اپنے پیاروں سے دوری کی قربانی..... اور اس معبود کے سامنے اپنے نفس کا تزکیہ کرنے کی قربانی۔“

”جنت بی بی ہے تو جاہل لیکن باتیں کتنی گہری کرتی ہے۔“ سراج اس کی بات سے کافی متاثر ہو کر بولے۔
”ڈیڈی! یہ میرے سوال کا جواب نہیں..... یہ نصیحت ہے..... اور نصیحت مجھے بالکل پسند نہیں۔ آپ پلیز کسی عالم دین سے معلوم کریں۔“

”اگر انہوں نے کہہ دیا مکمل ٹنڈ ہونے پر ہی ارکان ادا ہوگا تو کیا کرو گے تم؟“ حمیرا لاڈ سے بیٹے کے

بالوں کو چھیڑتے ہوئے بولیں۔

”میں حج پر ہی نہیں جاؤں گا..... ہاں!“ سراج اور حمیرا ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔
 ”کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم، بھلا اس طرح بھی ہوتا ہے۔ ہاں تم یوں لر لینا کچھ دن کے لیے فیصل آباد نہ آنا..... لاہور چلے جانا وہیں رہ لینا.....“ نعمان یہ سن کر چپ ہو گیا۔

☆☆☆

وہ لوگ حج ٹرمینل کے باہر دیگر مسافروں کے ساتھ آ بیٹھے تھے مگر یہ تینوں اپنے ہی طور پر کسی کے ساتھ جا رہے تھے جو پرائیویٹ طور پر لے جاتے ہیں اور وہ بندہ ابھی تک نہیں آیا تھا..... ان لوگوں کے ساتھ ایک فیملی اور بھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ باری باری مسافر اندر جا رہے تھے مگر انہیں طارق کا انتظار تھا۔ سراج پریشان ہو کر فون کرنے لگے مسز سراج اور نعمان منتظر کھڑے تھے۔ فون پر بات کرتے ہوئے سراج کے چہرے پر پریشانی تھی۔ فون بند کر کے بولے۔

”ابھی ابھی میری طارق سے بات ہوئی ہے وہ کہہ رہا ہے۔ ہمارے پاسپورٹ ایک دن پہلے ایکسپائر ہو چکے ہیں۔ اس لیے ویزا وٹکنس کنفرم نہیں ہو سکیں۔“ مسز سراج کو شک لگا۔
 ”ایسے کیسے ہو سکتا ہے، اس نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا دو مہینے سے پاسپورٹ اس کے پاس ہیں۔ بلا وجہ ہی ہمیں کراچی آنا پڑا۔ یہ بات پہلے بھی تو بتائی جاسکتی تھی۔“

”مئی آپ لوگوں نے بغیر دیکھے ہی اسے پاسپورٹ پکڑا دیے۔ چھ مہینے کی Validity تو ہونی ہی چاہئے تھی اور اس نے پیسے لے لیے اور کچھ نہ بتایا۔“ نعمان شدید غصے میں تھا۔

”یہ تو ان لوگوں کی غلطی ہوئی ہماری نہیں۔“ مسز سراج بولیں۔ سراج خود پریشانی اور خفت میں مبتلا تھے۔
 ”تم نے پاسپورٹ دیتے وقت کچھ نہیں دیکھا۔ میں تو ان دنوں کام سے اسلام آباد گیا ہوا تھا اور طارق نے بھی نہیں بتایا اسے تو شاید پیسے لینے کی پڑی تھی جب پاسپورٹ ہی Valid نہیں تھا تو ویزے کے لیے بھی نہیں جاسکتا ہوگا۔ یہ تو اس پاگل آدمی نے ہمیں نہیں بتایا۔“ سراج صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ طارق صاحب کا کیا حشر کر دیں۔

”چلو اب یہاں بحث مت کرو اور ہوٹل چلو۔“ تینوں پیر چٹختے ہوئے واپس ہوٹل چلے آئے۔ طارق بھی اسی لیے غائب تھا دوسری فیملی بھی کھڑی انتظار کرتی رہی۔

☆☆☆

”میں بالکل فیصل آباد نہیں جاؤں گی۔ کس قدر جگ ہنسائی ہو گی میری..... سارے معاملات کس قدر باریک بینی سے ادا کئے ہم نے اور اپنے پاسپورٹ کی ڈٹس سے ہی غافل رہے ہم لوگ۔“ حمیرا روتے ہوئے بولیں۔

”آپ سے زیادہ تو مئی، ڈیڈی مجھے لوگوں کو فیس کرنا ہوگا۔ سوچیں ہم کس منہ سے واپس گھر جائیں

گے۔“ نعمان بولا۔

”سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تمہاری ہی نیت ٹھیک نہیں تھی۔ کل تمہی کہہ رہے تھے ناں..... میں بال نہیں منڈواؤں گا..... آگیا نتیجہ سامنے۔“

مسز سراج اس کے اوپر غصہ اتار رہی تھیں۔

”ممی! صرف اگر میری نیت خراب تھی تو میرا ہی پاسپورٹ فیل ہوتا..... معاف کیجیے گا نیت آپ لوگوں کی بھی ٹھیک نہیں تھی۔ ورنہ ہم میں سے کوئی تو جاتا۔“

نعمان غصے سے کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ حمیرا اور سراج سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

☆☆☆

”اس طرح منہ چمپا کر یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔ سنوڈر کس بات کا ہے۔ اس سال نہیں تو اگلے سال ہم چلے جائیں گے حج پر..... اور ایسا تو کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا۔ اور تم فکر مت کرو۔ جب تک پاسپورٹ بنیں گے عمرہ کھل جائے گا۔ میں تمہیں عمرے پر لے کر جاؤں گا۔ حوصلہ کرو.....“

مسز سراج واپس نہ جانے کی رٹ لگائے ہوئے تھیں جب سراج صاحب نے انہیں سمجھاتے ہوئے بولے۔

”وہ پاسپورٹ واپس کرے گا تبھی تو اپلائی کریں گے۔“ حمیرا روہانے انداز میں بولیں۔

”ہاں تم فکر نہ کرو اسے میں دیکھ لوں گا۔ رقم بھی تو واپس لینی ہے اور ہم لوگوں کے لیے حج پر نہیں جا رہے تھے ہم اپنے اللہ کے لیے حج پر جا رہے تھے۔ اس کی جانب سے بلاوا نہیں تھا، ہمیں صبر کر لینا چاہئے۔“ حمیرا ان کی بات سن کر چپ سی ہو گئیں۔

”دو دن سے میڈم اور صاحب کمرے میں ہی بند ہیں۔ باہر نہیں نکلے..... اور نعمان بابا تو وہیں سے گھومنے پھرنے سوات چلے گئے ہیں۔ فیصل آباد آئے ہی نہیں۔ ویسے کتنی شرمندگی کی بات ہے۔ اتنا کچھ کیا پیسہ پانی کی طرح بہایا اور سواد کچھ بھی نہ آیا۔ ہونہ، اسے کہتے ہیں غریبوں کا دل دکھا کر امیر بھی خوشیاں نہیں پاتے۔“ قاسم اور بانو دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے جہی جنت بی بی قریب سے گزری اور ان کی باتوں کو سننے لگی۔

”ایسا نہیں کہتے بیٹا! اللہ ناراض ہوتا ہے۔ یہ حسد اور جلن ہے، اللہ کو صبر اور شکر پسند ہے..... اللہ جس حال میں رکھے انسان کو خوش رہنا چاہئے۔“

”جنت بی بی! ہم اپنے حال پر بہت خوش ہیں اور بلکہ اب تو ہم امیروں کے حال پر خوشیاں منا رہے ہیں۔“

”بری بات ہے بانو..... یہ اللہ کا بلاوا ہے..... اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہی بلاتا ہے۔ جس کی روح لبیک پکارتی ہے وہی وہاں جاتا ہے۔“

”تو کیا میڈم اور صاحب کی روح نے لبیک نہیں کہا تھا؟“

قاسم حیرت سے پوچھنے لگا۔

”یہ سب اللہ جانتا ہے۔ ضرور اس میں بھی کوئی اس کی حکمت چھپی ہوگی۔“ اچانک تینوں کی نگاہ میڈم

پر گئی جو ابھی ابھی اپنے کمرے سے باہر نکلی تھیں وہ غم و غصے کی کیفیت میں کھڑی انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔
 ”تو تم یہ جتنا چاہتی ہو کہ ہماری کوئی خواہش اور نیت نہیں تھی۔ ہم صرف دنیا دکھاوے کے لیے حج پر جا رہے تھے۔“ وہ شاید جنت سے مخاطب تھیں۔

”میں نے ایسا کب کہا حمیرا باجی؟“

”کواس بند کرو اپنی اور چلی جاؤ یہاں سے آئندہ تمہاری شکل نہ دیکھوں میں..... نہ جانے خود کو کیا سمجھتی ہے۔ کہاں کی پیر ملانی ہے جو ہر جگہ کھڑے ہو کر وعظ دینے لگتی ہے۔“ وہ شدید غصے میں بولے جا رہی تھیں۔ جنت بڑے دکھ سے حمیرا کو دیکھتی رہی اور وہاں سے چلی گئی۔

”اگر آئندہ میں نے تم لوگوں کے منہ سے اپنے متعلق کوئی ذکر سنا تو تمہیں بھی نکال کر باہر کھڑا کر دوں گی..... تم لوگوں کو یہاں کام کرنا ہے تو زبان بند اور آنکھیں صرف اپنے کام کے لیے کھلی رکھو، سمجھے تم لوگ۔“ اب وہ قاسم اور بانو سے مخاطب تھی جو معذرت خواہانہ انداز میں ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔

”کیا ہو گیا ہے حمیرا تمہیں..... تم کیوں ان لوگوں کی باتوں کو دل پر لے رہی ہو؟“

”سراج آپ سمجھ نہیں رہے یہ دودھ نکلے کے لوگ مجھ پر باتیں بنا رہے ہیں۔ میں گھر سے باہر نہیں نکلی..... صرف انہی باتوں کی وجہ سے اور میرے گھر کے ملازم مجھ پر ہنس رہے ہیں۔“ وہ شدید غصے میں تھیں۔
 ”اچھا موڈ ٹھیک کرو۔ چلو شام کو کھانے کے لیے کہیں باہر چلتے ہیں۔ ابھی تو میں فیکٹری جا رہا ہوں۔ پلیز سارا دن موڈ ٹھیک رکھنا۔“ ان سے کہہ کر سراج صاحب چلے گئے اور حمیرا واپس اپنے کمرے میں آ کر بستر پر پڑ گئیں۔

☆☆☆

عاصمہ کی ساس حمیرا سے ملنے آئی بیٹھی تھیں۔ حمیرا کی ایسی کیفیت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ خفت سے برا حال تھا اور دل ہی دل میں وہ برا بھلا کہہ رہی تھی۔

”عاصمہ نے جب مجھے بتایا کہ آپ لوگوں کا جانا نہیں ہو سکا تو سچ میں مجھے تو بہت دکھ ہوا۔ یقین مانو حمیرا مجھے ایسی سبکی محسوس ہوئی جیسے یہ سب میرے ساتھ ہوا ہو..... ویسے دل تو تمہارا بھی بہت دکھا ہو گا۔“

عاصمہ کی ساس ان کے پاس بیٹھی ان کے حج پر نہ جانے کا افسوس کر رہی تھیں اور حمیرا مارے خفت کے ہونٹ دانت سے کاٹتی رہی..... بیٹی پر الگ غصہ تھا کہ ساری تفصیل اتنی جلدی بتانے کی کیا ضرورت تھی۔
 ”بس اللہ کی مرضی.....“ حمیرا اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

”اس دوران نئے پاسپورٹ بن گئے اور رقم بھی کچھ کٹ کٹا کر واپس ہوئی۔ حمیرا نے تین مہینے گھر میں ہی گزارے، کہیں آتی جاتیں تو سوالات کی بوچھاڑ ہو جاتی۔ لوگ ہمدردی کی آڑ میں کافی کچھ کہہ جاتے..... اس روز وہ کافی اداس بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب سراج صاحب نے عمرے پر جانے کے لیے کہا۔

”بس تم جلدی جلدی تیاری کرو، میں سارے انتظامات کر رہا ہوں۔“
 ”کیا عمرے پر جانے سے میری وہ خفت دور ہو جائے گی۔ جس کا مجھے گزشتہ تین مہینے سے سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔“

وہ نروٹھے انداز میں بولیں۔

”میں نے پہلے بھی کہا تھا تم سے حمیرا، ہم اللہ کے لیے اس کے در پر جا رہے ہیں۔ ہمیں لوگوں سے ہرودکار نہیں رکھنا چاہئے۔ اگر تم میں سچا جذبہ ہے تو تم خوش ہو جاؤ کہ تم اس کے در پر حاضری دینے کسی نہ کسی طرح جا تو رہی ہو۔“

سراج ذرا طنزیہ انداز میں بولے۔

”اس بارمی پلیز کوئی کرو فرمت کیجئے گا۔ خاموشی سے بیگ اٹھائیں اور نکل جائیں۔ جب واپسی ہو تب لوگوں کو بتا دیجئے گا۔“

نعمان نے بھی ماں کو سمجھایا۔

”اچھا یہ بتائیں، صرف آپ اور ڈیڈی ہی جا رہے ہیں ناں؟“

ہاں میں اور تمہاری ممی ہی جا رہے ہیں۔“ بیٹے کی بات کا سراج صاحب نے جواب دیا۔
 ”شکر ہے مجھے ٹنڈ نہیں کرانا پڑے گی۔“ نعمان خوش ہو کر بولا۔ اس کی بات سن کر دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”آپ دونوں میرا مذاق مت اڑائیں۔ آپ لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں مجھے اپنے بالوں سے کس قدر پیار ہے۔ میں ان کے لیے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ بقول میرے سارے فرینڈز کے، لڑکیاں ہیئر اسٹائل پر ہی تو مورتی ہیں۔ جب بال ہی نہیں ہوں گے تو کیا رہ جائے گا میری لائف میں۔“
 نعمان معصومیت سے بولا۔ حمیرا اور سراج ہنستے رہے پھر بیوی کے ریلیکس چہرے کو دیکھ کر سراج صاحب بیٹے سے بولے۔

”کچھ بھی ہے تمہاری اوٹ پٹانگ باتوں سے کم از کم تمہاری ماں کا موڈ تو اچھا ہو جاتا ہے۔“ حمیرا شوہر کو دیکھ کر بڑی ادا سے مسکرائے لگیں۔

☆☆☆

”آج کل عمرے پر جانا بھی لگتا ہے ایک فیشن ہی بن گیا ہے۔ جسے دیکھو عمرے پر جا رہا ہے، میری ساس بھی عمرے پر جا رہی ہیں ممی..... حالانکہ کئی بار جا چکی ہیں لیکن جب سے انہیں یہ پتا چلا ہے کہ آپ لوگ عمرے پر جا رہے ہیں تو انہوں نے نوید کا چچھا پکڑ لیا۔ اب نوید کے ساتھ ہی جا رہی ہیں وہ.....“
 حمیرا نخوت سے منہ بنانے لگیں۔

”بھئی ہمیں اس سے کیا..... لوگ ہر سال ہی جاتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ہمیں دیر سے خیال آیا اس

عظیم عبادت کا۔“ سراج صاحب ہنس کر بولے۔

”وہ بھی مجھے ہی آیا خیال، آپ کو تو بس فیکٹری کا ہی پتا ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“ ان کی بات سن کر حمیرا فوراً بولیں۔

”اچھارات کافی ہو گئی ہے سو جاؤ۔ صبح کی فلائٹ ہے ہماری..... کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں تھکن ہو جائے اور تم بیمار پڑ جاؤ اور اب کی بار واقعی تمہاری وجہ سے جانا کینسل کرنا پڑے۔“ سراج صاحب نے کہا۔

”اللہ نہ کرے..... منہ سے اچھی بات نکالیں۔“ حمیرا بولیں تو سراج بیوی کو غور سے دیکھنے لگے۔

☆☆☆

رات کے تین بجے کا وقت ہو گا جب سراج صاحب کا سیل فون بجا، وہ دونوں بے خبر سو رہے تھے۔ فون کی ہی مسلسل گھنٹی پر دونوں ہڑبڑا کر اٹھے..... حمیرا سمجھیں کہ الارم بجا ہے مگر گھنٹی کی آواز سراج کے فون سے آرہی تھی۔ سراج نے جلدی سے فون اٹھایا دوسری طرف سے ان کی فیکٹری کے گاڑ کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”سرفیکٹری کے نزدیک بارود کا ٹرک پھنسا ہے۔ ہماری عمارت کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ ڈیوٹی دینے والے بھی زخمی ہیں اور سامنے والے پھاٹک پر ہمارے دو گاڑز موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے ہیں۔ میں تھوڑے فاصلے پر تھا، آپ..... آپ ٹی وی کھولیں، نیوز چینل دیکھیں۔ بہت تباہی مچی ہوئی ہے۔ آپ جلدی سے آئیں۔“ یہ سب کہتے ہوئے وہ بری طرح رو رہا تھا۔

پہلے سراج صاحب کو کچھ سمجھ نہیں آیا پھر انہوں نے جیسے تیسے ٹی وی آن کیا وہاں فیکٹری میں آگ لگی دکھا رہے تھے۔ نیوز کا سرفیصلات بتا رہی تھی اور سراج غم و اندوہ کی کیفیت میں مبتلا اپنا ہاتھ سینے پر رکھے صوفے پر گر گئے۔

سراج اپنی آنکھوں سے عمارت کو جلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ حمیرا بھی بدحواسی سے اپنی بربادی کا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ یکدم سراج صاحب نے بڑے کرب کے عالم میں حمیرا کو بہ مشکل آواز دی اور صوفے سے زمین پر آ رہے۔ حمیرا جو پہلے ہی صدمے کی کیفیت میں تھیں، شوہر کو گرنا دیکھ کر مزید حواس باختہ ہو گئیں۔

”سراج! سراج کیا ہوا آپ کو..... نعمان، نعمان..... قاسم ارے کوئی تو آؤ۔“

حمیرا پاگلوں کی طرح چلاتی رہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ شدید ہارٹ اٹیک کی صورت میں سراج صاحب کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی تھی۔ حمیرا ننگے پاؤں کمرے سے باہر نکلیں۔ نعمان نے فوری ایسپولینس منگوائی، فیمیلی ڈاکٹر بھی فوراً آ گیا مگر سراج صاحب تو جا چکے تھے۔ حمیرا دودن سکتے کی کیفیت میں رہیں۔ سراج کے سوئم کے بعد اب لوگ حمیرا سے مل کر واپس جا رہے تھے۔ رفتہ رفتہ تعزیت کرنے والوں سے گھر خالی ہو گیا۔ آنا فانا کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ حمیرا صدمے کی حالت میں بت بنی بیٹھی تھیں۔ بچوں پر دودھ ہر انم پڑا تھا۔ باپ چلا گیا تھا اور ماں بھی حواسوں میں نہ تھی۔ کاروبار کا صدمہ الگ تھا۔ حمیرا کے قریبی رشتہ دار بھی چلے گئے تھے، بہن، بھائی ان کا کوئی تھا نہیں بس یہی ملازمین تھے جو ان کو دلاسا اور تسلی دینے کی کوشش کرتے مگر وہ تو مکمل سکتے کیفیت میں

تھیں۔ الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے، سو جس طرح بہت سے حادثات کے بعد چینلوں اپنی ریٹنگ بڑھانے کے لیے نئے سے نئے اقدام کر رہے ہیں وہیں متاثرہ افراد کے انٹرویوز لینے بھی ہر چینل کا نمائندہ جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ گھروالوں سے بات کی جاسکے اور ان کی کسمپرسی کو نشر کیا جاسکے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کے اثرات کیا ہو رہے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی ایک چینل کی ایک نیوز رپورٹر اس جان لیوا واقعے کی رپورٹ لائیو پیش کر رہی تھی۔

”تو ناظرین ہم سیٹھ سراج کے گھر میں موجود ہیں جو اس فیکٹری کے مالک تھے جو شری پسندوں کے شر کا نشانہ بنی۔ دیکھتے ہی دیکھتے عالیشان عمارت لاکھوں، کروڑوں کی مشینیں کچرے کا ڈھیر بن گئیں اور خود سیٹھ صاحب اس بھاری نقصان کا صدمہ سہہ نہیں پائے اور ہارٹ اٹیک کی وجہ سے اس دنیا سے چل بسے۔ مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیوہ اور دو بچے چھوڑے ہیں۔ آئیں ان سے ملتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ان کے دل پر کیا گز رہی ہے، اس جان لیوا سانحے کے بعد..... اور وہ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں حکومت کو اور اس واقعے کا کس کو ذمہ دار سمجھتے ہیں۔“ رپورٹر نے مائیک نعمان کے سامنے کیا، نعمان اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

”میرے ڈیڈی اور مئی کی اگلی صبح کی فلائٹ تھی۔ وہ لوگ عمرے پر جا رہے تھے کہ رات کو یہ سانحہ ہو گیا اور کچھ بھی باقی نہ بچا۔“ وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بلکنے لگا۔

”تو ناظرین آپ نے سنا کہ بیگم سراج اور سراج صاحب کی ساری تیاریاں مکمل تھیں وہ لوگ عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے روانہ ہونے والے تھے لیکن نصیب کی سیاہی کہیے یا بد قسمتی کا کھیل..... موقع ہی نہ مل سکا..... اور سب کچھ بس نہیں ہو گیا۔ ادھر بیگم سراج صدمے سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہیں۔ ناظرین عمرے پر تو شاید وہ زندگی میں کئی بار اپنے بیٹے کے ہمراہ چلی جائیں گی لیکن ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ یہ سعادت حاصل کرے۔ جس سے بیگم سراج زندگی بھر کے لیے محروم ہو گئی ہیں۔ ہم ان کے لیے دعا کے سوا کیا کر سکتے ہیں۔ شبانہ مراد ستارہ نیوز فیصل آباد.....“

اچانک حمیرا کے بے جان سے وجود میں کپکپاہٹ شروع ہوئی اور آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہنے لگے اور وہ زور زور سے چلانے لگیں۔

”نکالو اسے..... کون ہے یہ..... یہ سب دنیا کو بتا رہی ہے، لوگوں کو ہماری کہانی سنارہی ہے۔ یہ سب کو بتا دے گی ہم لوگ پھر اس سعادت سے محروم ہو گئے، سراج..... یہ سب کو بتا دی گی ایک بار پھر ہماری حاضری قبول نہیں ہوئی۔ ہمارا بلاوا نہیں آیا..... نہیں..... مجھے کہیں چھپا لو..... چھپا لو..... مجھے۔“ حمیرا ہڈیانی انداز میں چیخ رہی تھیں اور بے دم ہو کر نعمان کے سنبھالتے سنبھالتے بھی فرش پر گر گئیں۔

☆☆☆

عدت کی جان لیوا مدت گزارنے کے ساتھ ہی حمیرا پر زندگی کی تلخ حقیقتیں آشکار ہونے لگیں۔ پہلی حقیقت تو یہ سراج نے بینک سے لون لے رکھا تھا اور وہ بھی بنگلا بینک میں گروی رکھ کر۔ بینک نے حمیرا کی عدت

کی مدت کا ہی انتظار کیا اور اس کے بعد نوٹس بھیجنا شروع کر دیئے۔ فیکٹری انشورڈ نہیں تھی۔ جس کی وجہ سے حمیرا اور نعمان کو بنگلا بیچنا پڑا اور بینک کی ادائیگی کے بعد ایک گمنام علاقے میں کرائے کے ایک چھوٹے سے مکان میں دونوں ماں، بیٹا رہائش پذیر ہو گئے۔ نعمان نے اپنی مہنگی ایجوکیشن چھوڑ دی اور ایک میڈیکل اسٹور پر ملازمت کرنے لگا۔ گھر کا قیمتی سامان بھی اونے پونے بیچنا پڑا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ حمیرا کو جنت بی بی کی باتیں یاد آ رہی تھیں وہ کہا کرتی تھی۔ ”پیسے کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ دنیا میں سب سے بے وفا چیز زندگی اور دولت ہی ہے اور انہی دونوں چیزوں سے انسان سب سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں جانے کب دھوکا دے جائیں۔ کچھ پتا نہیں چلتا۔“ جنت بی بی کتنی تلخ مگر سچی باتیں کرتی تھی۔ یہ حمیرا کو تب پتا چلا جب وہ آسمان سے زمین پر آ گئیں۔ زمین پر چلنے میں بھی حمیرا اور ان کے بیٹے نعمان کو لگ بھگ تین چار سال لگے۔ نعمان نے اپنی ساری انکٹی وٹیز چھوڑ دی تھیں۔ یا تو کام پر ہوتا..... یا پھر گھر میں پڑا رہتا۔ نعمان دوستوں میں بھی نہیں آتا جاتا تھا، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ نعمان باپ کے غم اور مفلسی سے مدھال تھا..... بلکہ اس کے سر کے بال آہستہ آہستہ نامعلوم اسباب کی بنا پر جھڑنا شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے نعمان کے سارے سر پر گنج ہو گیا۔ گنج اتنا پھیلا کہ بال صرف کنپٹیوں پر سمجھو دیکھنے لائق اور گلدی پر رہ گئے جن کی وجہ سے وہ عجیب سا لگتا۔ ایک روز اس نے وہ جھار بھی صاف کرادی۔ نعمان نے ہر ممکن کوشش کر لی تھی کہ تیزی سے گرتے بالوں کا کچھ علاج ہو سکے..... مگر کچھ نہ ہو سکا۔ گنج نے نعمان کو احساس کتری میں مبتلا کر دیا تھا۔ شاید وہ باپ کی موت اور فیکٹری کے حادثے کے بعد اپنی تعلیم کے بل بوتے پر سنبھل جاتا..... لیکن قسمت نے ساتھ نہ دیا اور وہ گھر کا ہی ہو کر رہ گیا بس پیٹ بھرنے کی خاطر ملازمت تو بہر حال کرنا تھی۔ حمیرا ہر وقت بیٹے کو سمجھاتیں۔ ان سب ناکامیوں اور پریشانیوں سے یہ ہوا کہ وہ اس ذات کے نزدیک ہو گئیں جس سے وہ ہمیشہ غافل رہیں۔ اب وہ نہ صرف پانچوں وقت کی باقاعدگی سے نماز پڑھتیں بلکہ تہجد اور اشراق کی بھی پابند ہو گئیں لیکن حمیرا کے دل کو پھر بھی ایک پل سکون و قرار نہیں آتا تھا۔ انہوں نے ایک ہی جھٹکے میں سب کچھ کھو دیا تھا۔ شوہر، مال، اسباب، بیٹے کا کیریئر، اسٹیٹس، اب نہیں صرف سکون کی تلاش تھی۔

”ہر چیز اللہ کی امانت ہے۔ ہماری سانس سے لے کر ہمارے وجود کی ہر چیز..... تمہارے بال بھی اللہ کی دی ہوئی چیز تھے۔ جسے تم اللہ کی راہ میں دینے سے گھبراتے تھے، ڈرتے تھے، بھاگتے تھے..... اور آخر کار یہ بھی تمہارے پاس نہ رہے۔“

حمیرا بیٹے سے کہتیں نعمان جو جوان تھا..... اور ان کا ہی بیٹا تھا..... روز بروز ماں کی نصیحتوں سے چوڑے لگا تھا۔ حمیرا روتیں اور بیٹے کے لیے بھی دعائیں کرتیں اور پھر ان دعاؤں نے عجیب سمت اختیار کی..... ان کی بس ایک ہی تمنا اور ایک ہی آرزو رہ گئی تھی کہ وہ اس مقدس سرزمین کی خاک کو چومیں اور اپنے تکبر، اپنے گناہوں کی معافی اس کالی مکلی والے کے دربار میں جا کر مانگیں مگر اب ان کے پاس اسباب نہیں تھے لیکن اب لگن اتنی تھی کہ دن رات حمیرا کی زبان سے نعتِ رسول مقبول ﷺ جاری رہا کرتی اور وہ وقت بھی آیا کہ حمیرا

اس خواہش کے پورا ہونے کے لیے مایہ بے آب کی طرح تڑپے لگیں۔ میلاد و درس کی محفلوں میں جانے لگیں۔ لوگوں سے دعائیں کراتیں۔ وہ اکثر سوچا کرتی تھیں کہ ان کے شوہر کی تو حق حلال کی کمائی تھی پھر ان کا بلاوا کیوں نہیں آیا..... حمیرا کو خود ہی اپنے اندر سے جواب ملتا تب جذبہ سچا اور لگن میں اخلاص نہیں تھا۔ صرف دکھاوا اور دنیا داری تھی..... حمیرا اپنی اس عبادت کا رعب اپنے حلقہ احباب پر ڈالنا چاہتی تھیں مگر..... اب حمیرا کی نسن چچی تھی تو اسباب نہیں تھے۔ انہیں جنت بی بی کی باتیں یاد آتیں۔ وہ کہا کرتی تھی۔ ”جب وہ رب کریم اپنے در پر کسی کو بلاتا ہے تو خود بخود سیلے پیدا کر دیتا ہے۔“ مگر وہ کون سا وسیلہ تھا حمیرا اس سے نا آشنا تھیں۔ ایک روز اچانک جنت بی بی کو اپنے چھوٹے سے گھر میں دیکھ کر حمیرا دنگ رہ گئیں۔ جنت بی بی کے ہاتھ میں کھجور اور آب زم زم کی چھوٹی سی بوتل تھی۔

”حمیرا باجی! بہت دکھ ہوا مجھے آپ کے بارے میں جان کر لیکن اس مصیبت پر صبر کرنا۔ اللہ آپ کے دن ضرور پھیرے گا۔“ جنت بی بی نے بڑی ملائمت سے تسلی دی۔ حمیرا رونے لگیں۔ وہ انہیں دلا سہ دیتی رہی پھر کچھ دیر بعد حمیرا سے بولی

”میں یہ آپ کے لیے آب زم زم اور کھجور لائی تھی۔“ حمیرا دنگ ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ جنت بی بی کے جھریوں زدہ چہرے پر ایک گونہ اطمینان، سکون اور نور کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بڑی انکساری سے بولی۔

”باجی اس کالی کملی والے نے مجھ خاکسار کو اپنے در پر بلایا تھا۔ حج کی سعادت حاصل کر کے آئی ہوں میں، دو ماہ سے آپ کو تلاش کر رہی تھی۔ اب کہیں جا کر آپ کا اتا پتا ملے..... تو یہ تحفہ دینے آگئی۔ بس یہ دو کھجوریں اور دو بوند پانی ہے۔ بالکل خالص آب زم زم اور عجوبہ کھجور ہے حمیرا باجی۔“

حمیرا نے تڑپ کر جنت بی بی کے ہاتھ پکڑ لیے اور رفت آ میز انداز میں جنت بی بی کا چہرہ دیکھنے لگیں اور روتے ہوئے جنت بی بی کی آنکھیں چومنے لگیں۔

”یہ آنکھیں..... میرے نبی ﷺ کا روضہ دیکھ کر آئی ہیں، میرے رب کا گھر دیکھ کر آئی ہیں۔ ان پیروں نے وہاں کی خاک چومی ہے۔ مجھے انہیں چومنا ہے۔“

وہ جنت بی بی کو دیوانہ وار چوم رہی تھیں۔ جنت بی بی ان کی تڑپ اور دیوانگی کو کچھ دیر دیکھتی رہی پھر بولی۔

”حمیرا باجی میں آپ کو جتنا نہیں آئی..... اللہ نہ کرے مجھ میں کبھی یہ احساس جاگے کہ میں برتر اور آپ حقیر ہیں..... توبہ توبہ.....“ جنت بی بی..... اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے توبہ کرتی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حمیرا نے جنت کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا..... اور اپنے کئے پر معافی مانگنے لگیں۔

”مجھے معاف کر دو جنت بی بی..... میں نے تمہارے ساتھ بہت بد سلوکی کی..... دل دکھایا تمہارا.....

شاید اسی وجہ سے یہ سب ہوا میرے ساتھ۔“

”ایسا نہ کہیں..... ایسا سوچیں بھی مت..... حمیرا باجی..... ہم بہت گناہ گار لوگ ہیں۔ زندگی میں بہت بار ہم ایک دوسرے کا دل دکھاتے ہیں، برا سلوک کرتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھی تو کیا سب کے ساتھ ایسا

ہوتا ہے جو آپ کے ساتھ ہوا۔ اگر ایسا سب کے ساتھ ہونے لگے اور لوگوں کو اپنے کئے پر شرمندگی ہونے لگے تو یہ دنیا تو جنت بن جائے۔ سب ایک دوسرے سے عبرت حاصل کر لیں..... کوئی کسی کا دل نہ دکھائے..... یہ تو اللہ کی آزمائش تھی آپ پر، اللہ ہر کسی کو آزمائش میں نہیں ڈالتا۔ اسے ہی ڈالتا ہے جس کے درجات بلند کرنا چاہتا ہے بس صبر اور استقامت کا دامن بندے کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔“ جنت بی بی بولی تو حمیرا اس کی باتیں سن کر رونے لگیں

”آپ اس کالی کالی والے کے در پر کیسے چلی گئیں..... آپ کا وسیلہ کیسے بنا۔ کیا آپ نے اتنے پیسے جمع کر لیے تھے؟“ بڑی عاجزی اور رشک سے اس سے پوچھا۔

”بہت لوگ ہیں دنیا میں..... ایسے حمیرا باجی..... جنہیں اللہ نے دولت بھی دی ہے اور انکساری بھی..... آپ کے پاس سے جانے کے بعد میں جس بنگلے میں کام کرنے لگی تھی وہ بیگم صاحبہ نعت محمد ﷺ کی عاشق تھیں..... بتائیں کیوں میں۔ جب نعت پڑھتی وہ دل لگا کر سنتی اور روتی جاتیں۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ حمیرا باجی میری آواز اتنی اچھی لگے گی انہیں کہ وہ اپنی ماں کے ایصالِ ثواب کا حج مجھ سے کرائیں گی۔ حالانکہ وہ بیگم صاحبہ خود تین بار یہ سعادت حاصل کر کے آچکی تھیں۔ خود بھی ماں نے کئی عمرے کئے ہوئے تھے۔ لیکن مجھ سے درخواست کی کہ ان کی ماں کا حج کروں تو یہ احسان ہو گا ان پر..... میں بتا نہیں سکتی حمیرا باجی میں ساری رات سجدے میں ہی گری رہی..... میرا رب کتنی اونچی شان والا ہے۔“ جنت یہ سب بتا کر خود بھی رونے لگی۔ ادھر حمیرا بھی رو رہی تھیں۔

”اسے کہتے ہیں وسیلہ..... اور وسیلہ بھی بنتا ہے جب نیت پاک ہو۔“ وہ جنت بی بی کا ہاتھ پکڑ کر تڑپ کر بولیں۔ ”میرے لیے بھی دعا کرنا جنت بی بی..... اللہ میری تڑپ بھی دیکھ لے، میری فریاد بھی سن لے۔ اب تو بس میری ایک ہی خواہش ہے..... میرے آقا کے در پر میری حاضری ہو جائے اور میں وہاں جا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگوں۔“ اتنے میں نعمان اندر آیا اور جنت بی بی کو ماں کے پاس بیٹھا دیکھا تو کترا کر گزرتا چاہا۔ جنت بی بی بڑے والا نہ پن سے نعمان کو دیکھنے لگی۔

”نعمان بابا! حمیرا باجی کتنا سوہنا ہو گیا ہے نعمان..... کبھی لمبے لمبے بالوں میں اچھا نہیں لگا جتنا آج اچھا لگ رہا ہے۔“ جنت بی بی بولی۔ نعمان کنفیوزڈ ہو گیا اسے لگا کہ جنت بی بی اس کے گنبجے پن کا مذاق اڑا رہی ہیں لیکن جنت بی بی کے چہرے پر محبت بھری سادہ مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں نعمان کے لیے خلوص اور پیار تھا۔ وہ کافی عرصہ ان لوگوں کے ساتھ رہی تھی۔

”کب کٹوائے نعمان بابا آپ نے یہ بال..... کیسے سوہنے لگ رہے ہیں آپ۔ جیسے جج کر کے آئے ہوں۔“ نعمان کو یقین نہیں آیا کہ واقعی وہ گنجا ہو کر اچھا لگ سکتا ہے۔

”کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں جنت بی بی؟“ وہ بے یقینی سے جنت بی بی کو دیکھنے لگا۔

”بالکل سچ..... اور میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟ نعمان نے بے یقینی سے کبھی ماں اور کبھی اسے دیکھا اور پھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اوپر ہی خوب ہنسا مگر یہ ہنسی خود اعتمادی کی تھی۔

”کوئی گنجا ہو کر بھی پیارا لگ سکتا ہے؟“ نعمان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے پھر وہ جنت بی بی سے بولا۔ ”آپ مجھے بے وقوف بنا رہی ہیں کیا.....؟ میرا سارا کیرئیر تباہ ہو گیا صرف ان بالوں کی وجہ سے..... سارے دوست مجھے چھوڑ گئے زندگی سے دوست اور رشتے تو گئے ہی تھے۔ جوانی میں حسن بھی ختم ہو گیا میرا۔“

”بیٹا اگر اوپر والا آپ کی دونوں آنکھیں لے لیتا..... یا دونوں پیروں سے محتاج کر دیتا..... یا..... یہ ہاتھ بھی نہ رہتے..... تو کیا کرتے آپ نعمان بابا؟“ جنت بی بی، نعمان کو جذباتی پن سے بولتے ہوئے دیکھ کر بڑے رمان سے بولی۔ نعمان حیرت سے جنت بی بی کو دیکھنے لگا۔

”یہ سب اللہ کا مال ہے، شکر ادا کیا کرو۔ اگر وہ کچھ اور لے لیتا تو آپ کیا کرتے۔“ نعمان خوفزدہ ہو کر ماں کو دیکھنے لگا۔ جنت بی بی نے اسے ہی نہیں بلکہ حمیرا کو بھی کافی تسلی دی اور خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔ نعمان دیر تک جنت بی بی کی باتوں پر غور کرتا رہا۔

حمیرا شلوار پہنے بڑا سادہ پٹا اوڑھے حمیرا جیسے کہیں جانے کی تیاری میں تھیں۔

”بہت عرصے کے بعد آپ کو دیکھا ہے خود پر توجہ دیتے ہوئے، برسوں بعد ایسا لگا ہے مجھے میری می جو کھوپچی تھیں واپس مل گئیں۔“ نعمان نے ماں کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”زندگی بھر کھوئی رہی ہوں بیٹا، اپنے اصل کی طرف لوٹی ہوں اور تم بھی تو زندگی کی طرف لوٹ آئے ہو۔“ حمیرا ایک گہری سانس لے کر بولیں۔

”زندگی کی طرف نہیں سچائی کی طرف لوٹ آیا ہوں می..... یقین کیجئے اتنا سکون ملتا ہے مجھے جب عالم دین کی قربت میں بیٹھتا ہوں، اپنے رب کی بارگاہ میں پانچ وقت سجدہ کرتا ہوں، ساری بے چینی ختم ہو گئی میرے اندر کی۔ اب مجھے کوئی خوف، کوئی گھبراہٹ نہیں رہی۔“ حمیرا نے نم آنکھوں سے میٹھے کو دیکھا۔

”آپ کہیں جا رہی تھیں می؟“ وہ پوچھنے لگا۔ ”ہاں..... درس کی محفل میں جا رہی تھی.....“

”وہ تو آپ کافی عرصے سے جا رہی ہیں لیکن آج مجھے کوئی خاص بات لگ رہی ہے آپ کی تیاری سے۔“

”وہ دراصل مدرسے کی معلقہ صاحبہ چاہتی ہیں میں طالبات کو اردو اور انگریزی کی تعلیم دوں۔ اس لیے آج سے میں مدرسے میں سامعہ نہیں بلکہ معلقہ بن کر جا رہی ہوں۔“ انہوں نے مسکرا کر بیٹے کو بتایا۔

”لیکن می..... آپ نوکری کریں گی..... مجھے اچھا نہیں لگے گا۔“

”ارے بیٹا..... میں یہ نوکری دنیا بنانے کے لیے نہیں اللہ کو منانے کے لیے کر رہی ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بھر اگئی۔ مجھے مت روکنا ورنہ دکھوں کا سمندر میرا سینہ پھاڑ ڈالے گا۔“

”جیسی آپ کی مرضی۔“ وہ ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

”مجھے دنیا اور دنیا والوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ دیکھا تم نے نعمان..... جب سے ہم اس چھوٹے سے گھر میں آ کر رہنے لگے ہیں سب نے منہ موڑ لیا ہم سے..... یہاں تک کہ میری سگی بیٹی بھی کھڑے کھڑے ملنے آتی ہے مجھ سے۔ انسان بھی کتنا بے وقوف ہے ساری عمر دنیا داری اور مادی رشتوں کے چکر میں ہی گھومتا رہتا ہے اور

اپنے لیے خسارے کا سامان کرتا ہے۔“

”یہ دنیا چیز ہی ایسی ہے مہی..... چاہ کر بھی انسان اس بھنور سے نکل نہیں پاتا۔ خیر..... یہ سب چھوڑیں آپ کو دیر ہو رہی ہوگی میں چھوڑ آتا ہوں آپ کو۔“ وہ دونوں ساتھ ساتھ گھر سے نکلے۔ حمیرا بیٹے کے چہرے کو دیکھتی جاتیں اور دل ہی دل میں سوچتی جاتیں۔ ”نعمان کے چہرے پر داڑھی کا چھوٹا سا خط کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ اپنے رب کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے نعمان کا دل بھی میرے ول کے ساتھ ہی پلٹا..... اگر اس کا دل نہ پلٹتا تو میری تو بچی کچھی پونجی بھی فنا ہو جاتی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے جنت بی بی کی دعا لگی ہے مجھے..... وہ پُر سکون سانس لے کر مدرسے کے دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆

”جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں آج مدرسے میں نعتیہ مقابلے کا انعقاد ہے۔ پہلے دوسرے اور تیسرے نمبر پر آنے والی بچیوں کو انعامات سے نوازا جائے گا۔ اس کے علاوہ اس محفل میں سب شرکا کے لیے بھی ایک خوشخبری ہے اور وہ یہ کہ جن کرسیوں پر آپ سب لوگ تشریف فرما ہیں ان سب کے نمبرز یہاں ہمارے پاس اس ڈبے میں موجود ہیں اور کسی ایک نمبر پر عمرے کا ٹکٹ انعام میں رکھا گیا ہے۔ اب معلوم نہیں کون ہے وہ خوش نصیب جسے آج عمرے کا ٹکٹ ملے گا..... ہمارے معزز مہمان یا ہماری کوئی طالبہ یا ہمارے مدرسے کی کوئی معلمہ یا مدرسے میں کام کرنے والی کوئی ملازمہ..... آپ میں سے کوئی بھی خوش نصیب آج یہ انعام لے جاسکتی ہے۔“ حمیرا نے کھڑے ہو کر کھلے میدان میں پچھی تمام کرسیوں پر ایک نظر کی وہ انہی میں سے ایک پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

”ایسا لگتا ہے جیسے خواتین اور بچیوں کا سیلاب امنڈ آیا ہو۔“ حمیرا مایوسی سے اک آہ بھر کر رہ گئیں۔

”میں کہاں اتنی خوش نصیب.....“

متبرک تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا پھر طالبات حمد و نعت کے لیے بار بار آتی رہیں اور محفل میں اک سماں سا بندھ گیا۔ حمیرا اس خوب صورت محفل میں پڑھی جانے والی نعتوں میں اس قدر کھوئی ہوئی تھیں کہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ کب محفل نعت اختتام پذیر ہوئی اور کب انعامات بھی تقسیم ہو گئے۔ وہ تو ایک وجد و سرور کی کیفیت میں خود ہی نعت پڑھ رہی تھیں۔

”نصیباں کھول دے میرا..... میں دیکھا روضہ تیرا“

حمیرا کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے بھی مدرسے کی ایک استانی حمیرا کو جھنجھوڑ کر خوشخبری دینے لگیں۔

”نچر حمیرا مبارک ہو آپ کو، عمرے کا ٹکٹ آپ کو ملا ہے۔“ حمیرا دنگ رہ گئیں، بے یقینی سے اس استانی کو دیکھا اب وہ حمیرا کا نام پکار رہی تھیں۔ سب مہمان تالیاں بجا رہے تھے۔ حمیرا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ اوپر آسمان کی طرف تشکر بھرنے جذبات لیے دیکھنے لگیں اور پھر وہیں فرش پر سجدے میں گر گئیں۔ پروردگار نے ان کی توبہ قبول کر لی تھی۔

ختم شد